لاحول ولا قوۃ الا باللہ

تفسیر ابن کثیر اردو

جس پر علمائے اسلام کا اتفاق ھے
کہ
اس کے بعد کی تمام تفاسیر
قرآن اس سے ماخوذ ہیں

مصنفہ
علامہ ابن کثیر

ترجمۂ قرآن پاک
حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمۃ
حواشی و اضافات
مولانا انظر شاہ کشمیری مدرس دار العلوم دیوبند
ابن
حضرت مولانا علامہ سید محمد انور شاہ
کشمیری محدث دار العلوم

پارہ (۶)
لایحب اللہ
جز ۷

ناشر
مکتبہ فیض القرآن دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یوپی)

آپ کی علمی۔ عصری اور اسلامی ضرورتوں کو پورا کرنے والا اور صحیح قرآنِ کریم و پارہ ہائے قرآن مجید، مستند و مفید تفاسیر اور اسلامی کتب کو فراہم و شائع کرنیوالا اپنی نوعیت کا واحد مرکز ہے۔

اس کی کامیابی و کامرانی کا راز آپ کی مخلصانہ خدمات میں پوشیدہ ہے۔

ناظمِ کتب خانہ

طبع اوّل — ایک ہزار
طبع ششم — ایک ہزار
مطبوعہ — محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند
ھدایہ — پانچ روپے

فہرست مضامین تفسیر ابن کثیر (اردو) پارہ لا یحب اللہ

حیاتِ انور

فخر المحدثین علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رح

کی

تاریخِ حیات

علمی اور تحقیقی کارنامے کبھی صدیوں اور کبھی سالوں میں جاکر انجام پاتے ہیں بڑے کام بڑی مدت اور بڑی کاوش فکر کے بغیر پورے نہیں ہوتے فخر المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رح کے انتقال کے بتیس سال بعد ان کی تاریخ حیات علم و فضل اور زہد و ورع کی تمام راہوں پر ان کی کامیاب جادہ پیمائی کی یہ داستان ان کے مخصوص و مشہور شاگردوں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد طیب صاحب، حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد منظور نعمانی مولانا محمد میاں دیوبندی اور دیگر مستند علماء اور ذمہ دار مفکرین کی زبانِ قلم سے سنیئے۔

ایک ایسی کتاب جو آپ کو اس صدی کے ایک فقیہ النفس انسان، عشق محمدی میں ڈوبی ہوئی ایک روح۔ علم و فضل کی بلندیوں پر متمکن ایک عالم اور زہد و شرافت کی خوبصورت ترین ایک ایک مرد صالح سے متعارف کرائے گی بہترین کتابت، خوشگوار طباعت، دبیز اور چکنا کاغذ نظر کش کور

ہدیہ چار روپیے مجلد

مکتبہ فیض القرآن دیوبند (یو۔پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝

اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں خوب جانتے ہیں۔

اِنْ تُبْدُوْا خَیْرًا اَوْ تُخْفُوْہُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۝

اگر نیک کام علانیہ کرو۔ یا اس کو خفیہ کرو۔ یا کسی برائی کو معاف کرو۔ تو اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں پوری قدرت والے ہیں

برائیوں کی اشاعت مکروہ اقدام ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بددعا کرنی جائز نہیں، ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم کے لئے بددعا کرنی جائز ہے اور وہ بھی اگر صبر و تحمل کرے تو فضیلت اسی میں ہے، ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوئی چیز چور چرا لے گئے تو آپ ان کے لئے بددعا کرنے لگیں حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا، کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟[1] حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کے لئے بددعا نہ کرنی چاہیئے، بلکہ یہ دعا کرنی چاہیئے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلَیْہِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّیْ مِنْہُ۔ خداوندا اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے۔ آپ سے ایک اور روایت میں ہے کہ اگرچہ مظلوم کو ظالم کے حق میں بددعا کی رخصت ہے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے بڑھ نہ جائے[2]۔ عبدالکریم بن مالک جزریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں، لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہ باندھو۔ ایک دوسری آیت میں ہے وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں، ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، دو گالیاں دینے والے جو کہیں اس کا وبال اس پر ہے جس نے ابتدا کی ہو۔ ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ ہمیں اِدھر اُدھر بھیجتے ہیں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمان داری نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا سنو! اگر وہ اپنے لائق میزبانی کریں تو خیر ورنہ تم ان سے اپنے لائق لے لیا کرو۔ مسند احمد کی حدیث میں فرمانِ رسولؐ ہے کہ جو مسلمان کسی اہل قبیلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے ساری رات گذر جائے، لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس مہمان کی نصرت ضروری ہے اس شخص کے مال سے اور اس کی کھیتی سے بقدر اس کی مہمانی دلوا دیں[3]۔ مسند کی اور حدیث میں ہے ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے، خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے ان احادیث کی وجہ سے امام احمدؒ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص سرکار رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ مجھے میرا پڑوسی بہت ایذا پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا جا ایک کام کر اپنا کل مال و اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دے اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب

---

[1] مطلب یہ ہے کہ اس نے تم پر ظلم اور چوری کر کے زیادتی کی تو اب تم اسکو بددعا دے کر اپنا انتقام لے رہے ہو۔ اسطرح اس پر مواخذہ ہلکا ہو جائیگا اور اس کے گناہ کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ [2] یہ بھی ممانعت کا ایک لطیف انداز ہے کیونکہ غصہ میں حدود کا باقی رکھنا از بس مشکل ہے اور ادھر زیادتی حرام قرار دیدی گئی تو سمجھدار اپنی عافیت بددعا نہ کرنے ہی میں پائیگا۔

[3] غالباً اس پر فتوی نہیں ہے میزبان کو مہمان کی خاطر تواضع کرنے کی ترغیب کا یہ ایک انداز ہے۔

(انظر شاہ کشمیری)

ڈال کر وہیں بیٹھ گیا، اب جو گزرتا ہے وہ پوچھتا ہے کیا بات ہے؟ یہ کہتا ہے میرا پڑوسی مجھے ستاتا ہے میں تنگ آگیا ہوں۔ وہ اسے برا بھلا کہتا ہے، کوئی کہتا ہے خدا کی مار اس پر، کوئی کہتا ہے اللہ اسے غارت کرے۔ جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا منتیں کر کے لے گیا کہ اپنے گھر چلو۔ خدا کی قسم اب مرتے دم تک آپ کو کسی طرح نہ ستاؤں گا[1]۔ پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو! تم کسی نیکی کو ظاہر کرو تو اور پوشیدہ کرو تو، تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگزر کرو تو، اللہ کے پاس تمہارے لئے بڑا ثواب، پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ وہ خود بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے بھاتی ہے۔ وہ باوجود انتقام کی قدرت کے پھر بھی معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، بعض تو کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ خدایا تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ۔ اے قدرت کے باوجود درگزر کرنے والے خدا تمام پاکیاں تیری ذات کے لائق ہیں صحیح حدیث میں ہے صدقے اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں، عفو و درگزر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص خدا کے حکم سے تواضع فروتنی اور عاجزی کرے، اللہ اس کے مرتبے اور اس کی توقیر اور بڑھا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ

جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اسکے رسولوں کیساتھ اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اسکے رسولوں کے درمیان میں فرق رکھیں۔

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ

اور کہتے ہیں کہ ہم بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں

سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝

ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب پیغمبروں پر بھی اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ

يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

ضرور ان کے ثواب دینگے اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں، بڑے رحمت والے ہیں۔

انبیاء و رسل پر ایمان واجب ہے

اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک نبی کو بھی اگر نہ مانے تو کافر ہے یہودی سوائے حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہما کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے، نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور انبیاء پر ایمان رکھتے تھے، سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے خلیفہ تھے مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زردشت کو مانتے تھے لیکن انکی شریعت کے جب یہ منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھا لی، واللہ اعلم پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا کسی کا انکار کر دیا۔ کسی خدائی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش، جوش تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر ہے۔ اس لئے کہ اگر اور انبیاء کو بوجہ ان کے نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کا ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا جب وہ ایک کو نہیں مانتا۔ تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے انہیں بھی کسی دنیوی

[1] گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گا کہ اس ایذا دینے والے پڑوسی کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ لوگوں کے لعن طعن سے متاثر ہوگا اسلئے آپ نے یہ حکم دیا اور نسخہ کارگر بھی ہوا۔ لیکن یہ حکم کوئی قانون شریعت نہیں ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ محض ایک علاج ہے۔ (انظر شاہ کشمیری)

غرض اور خواہ ہوس کیوجہ سے ماننا ہے پس انکی شریعت ماننے نہ ماننے کے درمیان کی ہے یہ یقینی اور حتمی کفار ہیں، کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی والے عذاب ہوں گے، کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لاکر انکی توہین کرتے تھے اس کا بدلہ یہی ہے کہ انکی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے۔ ان کے ایمان نہ لانے کیوجہ خواہ غور و فکر نہ کرکے نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو، خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کیا جاتا ہو۔

آپکی نبوت کا انکار ہوا و ہوس کیوجہ سے تھا

جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضورؐ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کیوجہ سے آپکی عظیم الشان نبوت کے منکر ہو گئے اور آپکی مخالفت و عداوت پر کمر بستہ ہو گئے، پس خدا نے انپر دنیا کی ذلت بھی ڈالی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لئے تیار کر رکھی ہے۔ پھر امت محمدیہ کی تعریف ہو رہی ہے کہ یہ خدا پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو بلا تفریق مانتے ہیں خدا کی اس آخری کتاب پر ایمان لاکر اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی خدائی کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے ایک آیت میں ہے کل آمن باللہ پھر انکے لئے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اسنے تیار کر رکھا ہے اسے بھی بیان فرما دیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر و ثواب عطا ہوں گے۔ اگر انسے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرمائے گا۔ اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائے گا۔

يَسْئَلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوْا مُوْسٰٓى أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ

آپ سے اہل کتاب یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوا دیں سو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست

فَقَالُوْٓا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا

کی تھی اور یوں کہا تھا ہم کو اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھلا دو جس پر انکی اس گستاخی کے سبب ان پر کڑک بجلی آ پڑی پھر انہوں نے گوسالہ کو تجویز کیا بعد اس کے کہ بہت

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ

سے دلائل ان کو پہنچ چکے تھے پھر ہم نے اس سے درگزر کر دیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا اور ہم نے ان لوگوں سے قول و قرار

الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا

لینے کیواسطے کوہ طور کو اٹھا کر انکے اوپر معلق کر دیا تھا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ دروازہ میں عاجزی سے داخل ہونا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ یوم ہفتہ کے بارے میں

فِى السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○

تجاوز مت کرنا۔ اور ہم نے ان سے قول و قرار نہایت شدید لئے۔

یہودیوں کے لغو مطالبے

یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰؑ خدا کی طرف سے توراۃ مکمل لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے، آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آیئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں یہ سوال بھی انکا ذہنیت سے بطور مذاق کے اور بطور کفر کے تھا جیسے کہ اہل مکہ نے بھی اسیطرح کا ایک سوال کیا تھا جو سورہ سبحان میں مذکور ہے کہ جب تک عرب کی سرزمین پر دریاؤں کی ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پس بطور تسلی کے آنحضرتؐ سے خدا تعالیٰ فرماتا ہے، انکی اس سرکشی اور جہل سوال پر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں، انکی یہ عادت پرانی ہے انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو دکھا دے۔ اس تکبر، سرکشی اور فضول سوال کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں۔ یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی جیسے سورہ بقرہ میں تفصیل وار بیان گزر چکا ہے، ملاحظہ ہو آیت وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً الآیۃ یعنی جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پس تمہیں بجلی کے کڑاکے نے پکڑ لیا۔ اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد پھر تمہیں زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔ پھر فرماتا ہے کہ بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو

پوجنا شروع کر دیا۔ مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰ ؑ کے مقابلہ میں ہلاک ہونا، اس کے تمام لشکریوں کا نامرادی کی موت مرنا ان کا اس دریا میں سے بچ کر پار نکل آنا ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا، لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر بت پرستوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبر سے کہتے ہیں، ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو۔ جس کا پورا بیان سورۂ اعراف میں ہے اور سورۂ طٰہٰ میں بھی پھر حضرت موسیٰ ؑ خدا تعالیٰ کے سامنے مناجات کرتے ہیں، ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں جب قتل شروع ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے ہم نے اس سے بھی درگزر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰ ؑ کو ظاہر حجت اور کھلا غلبہ عنایت فرمایا۔ اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ حضرت موسیٰ ؑ کی فرماں برداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کر دیا۔ اور ان سے کہا کہ اب بولو پہاڑ گرا کر دبا دوں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سب سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام خدا بجا لانے کا مضبوط عہد و پیمان کیا یہاں تک دل میں دہشت تھی کہ سجدے میں بھی کنکھیوں سے اوپر کو دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مر جائیں، پھر پہاڑ ہٹا لیا گیا۔ ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور حِطَّةٌ کہیں، یعنی اے اللہ! ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس سال میدان "تیہ" میں سرگشتہ و حیران و پریشان رہے لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں بھی مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں چلنے لگے اور حِنْطَةٌ فِي شَعْرَةٍ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنئے! ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیمان ہو گیا۔ لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لئے جیسے کہ سورۂ اعراف میں مفصل بیان ہے۔ ملاحظہ ہو آیت وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ الخ ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاص اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا یہ پوری حدیث سورۂ سبحان کی آیت وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ الخ کی تفسیر میں آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ ؛

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ

سو ہم نے سزا میں مبتلا کیا انکی عہد شکنی کیوجہ سے اور انکے کفر کیوجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور انکے قتل کرنے کیوجہ سے انبیاء کو ناحق اور انکے اس مقولہ کی وجہ سے کہ

قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ○ وَبِكُفْرِهِمْ

ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ انکے کفر کے سبب ان قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگا دیا ہے۔ سو ان میں ایمان نہیں مگر قدرے قلیل اور ان کے کفر کیوجہ سے

وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ○ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کیوجہ سے اور انکے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں

رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ

اللہ تعالیٰ کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ انکو سولی پر چڑھایا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ انکے بارہ میں اختلاف

لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ○

کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں انکے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے انکو یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا۔

بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ○ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست حکمت والے ہیں اور کوئی شخص اہل کتاب سے نہیں رہتا

إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ○

مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے مرنے سے پہلے ضرور تصدیق کر لیتا ہے اور قیامت کے روز وہ ان پر گواہی دیں گے۔

یہود کو انکی مسلسل نافرمانیوں پر عبرتناک سزا

اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ خدا کی رحمتوں سے محروم ہو گئے اور ملعون و مطرود ہو گئے اولاً تو انکی عہد شکنی کہ جو عہدے خدا سے انہوں نے کئے تھے ان پر قائم نہ رہے، دوسرے خدا کی آیتیں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزوں سے انکار اور کفر تیسرے بے وجہ ناحق انبیائے کرام کا قتل و خون خدا کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت انکے ہاتھوں قتل ہوئی چوتھے انکا یہ خیال اور یہ قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں جیسے مشرکین نے کہا تھا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ الخ یعنی اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم و عرفان سے پُر ہیں۔ سورۂ بقرہ میں بھی اسکی نظیر گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ انکے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر خدا تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے، کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ پُر خلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں، بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے، سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اسکی پوری تفصیل و تشریح گزر چکی ہے پس بطور نتیجہ کے فرما دیا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور ناقص ایمان پر ہی رہیں گے۔ پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم ؑ پر زناکاری جیسی بدترین و شرمناک تہمت لگائی۔ اور اسی زناکاری کے عمل سے حضرت عیسیٰ ؑ کو پیدا شدہ بتلایا بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ خدا کی ان پر پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے خدا کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر انکا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ بکواس بھی کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰ ؑ کو مار ڈالا جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ؑ کو نبوت سے سرفراز فرما کر بھیجا۔ اور آپکے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھلائے، مثلاً پیدائشی اندھوں کو بینا کرنا۔ کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مردوں کو زندہ کرنا مٹی کے پرندہ بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ تو یہودیوں کو بہت طیش آیا اور یہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی، آپکی زندگی تنگ کر دی کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپکو نصیب نہ ہوا، ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گزار دی۔ پھر بھی انہیں چین نہ آیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کا رفع آسمانی

اور یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے یہ ستارہ پرست مشرک شخص تھا، اس مذہب والوں کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا۔ یہاں آکر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے لوگوں کو بہکا رہا ہے روز نئے نئے فتنے کھڑے کرتا ہے۔ امن میں خلل ڈالتا ہے لوگوں کو بغاوت سکھاتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ ؑ کو گرفتار کرے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے! اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لیکر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ تھے۔ آپ کے ساتھ اس وقت بارہ یا تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کر لیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لئے رہا۔ جب حضرت عیسیٰ ؑ نے یہ محسوس کر لیا کہ اب یا تو وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑیگا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا۔ تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے۔ یعنی اس کی صورت اللہ تعالیٰ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے خدا مخلصی دے۔ میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔ یہ سنکر ایک نوجوان نے کہا مجھے منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰ نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا، تیسری دفعہ کہا مگر ہر دفعہ یہی تیار ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب آپ نے بھی منظور فرما لیا اور دیکھتے دیکھتے اسکی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ ؑ یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ پر اونگھ کی سی حالت طاری ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے جیسے قرآن کریم میں ہے۔ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ الخ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ حضرت روح اللہ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے۔ یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس کو جناب مسیح علیہ السلام

کے مشابہ کر دیا گیا تھا، عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پہ کانٹوں کا تاج رکھدیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔ ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پہ معلوم تھا کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں انکی جگہ شہید ہو گیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کی سی راگنی الاپنے لگے، یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں۔ واللہ اعلم۔ دراصل یہ سب باتیں خدا کی طرف سے اپنے بندوں کا امتحان ہیں جو اسکی حکمتِ بالغہ کا تقاضا ہے پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقتِ حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک اور سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہ جس شخص پر ڈالی گئی تھی اسے عیسیٰ ہی سمجھ بیٹھے جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے ہیں وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے سنی سنائی باتوں کے سوا کوئی دلیل نہیں اسی لئے پھر اسی کے ساتھ فرما دیا کہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا، بلکہ جناب باری عز اسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آسکتیں، اور جس کی حکمتوں کی تہہ تک اور جس کے کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھا لیا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانا چاہا تو آپ گھر میں آئے، اس وقت مکان میں بارہ حواری تھے، آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے آپ نے فرمایا، تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر بارہ بارہ بار مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے الخ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ روح اللہ کی پیشین گوئی کے مطابق بعضوں نے آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔

عیسائیت متعدد فرقوں میں

پھر ان کے تین گروہ ہو گئے۔ یعقوبیہ، نسطوریہ اور مسلمان۔ یعقوبیہ تو کہتے تھے خود خدا ہم میں تھا جب تک چاہا رہا۔ جب چاہا پھر آسمان پر چڑھ گیا۔ نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ خدا کا لڑکا ہم میں تھا جسے ایک زمانہ تک ہم میں رکھ کر پھر خدا نے اپنے پاس اٹھا لیا، اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ خدا کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک خدا نے چاہا وہ ہم میں رہا اور پھر خدا نے اسے اپنی حضرت اٹھا لیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے پچھلے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا، اس کی اسناد بالکل صحیح ہے اور نسائی میں حضرت ابو معاویہ سے بھی یہ منقول ہے اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ پر چڑھ کر آئے اور محاصرہ میں لیا اس وقت آپکے ساتھ سترہ حواری تھے، ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو سب لوگ حضرت عیسیٰ کی شکل و صورت کے ہیں وہ یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ تم لوگوں نے ہم پہ جادو کر دیا ہے، اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں، یہ سنکر روح اللہ نے فرمایا، کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بننا اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کرے۔ ایک صحابی اس کے لئے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ میں ہی ہوں چنانچہ دشمنانِ دین نے انہیں گرفتار کیا قتل کیا اور سولی پر چڑھایا اور پھر بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور خدا نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس بلا کر رفعت بخشی۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اطلاع کیا کہ وہ دنیا سے واپس ہونے والے ہیں، تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے اپنے حواریوں کی دعوت کی، کھانا تیار کیا اور سب سے کہدیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب حواریین آئے تو خود کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے انکے ہاتھ پونچھے یہ ان پر گراں گزرا اور اچھا نہیں معلوم ہوا۔ لیکن آپ نے فرمایا سنو! اس رات میں جو کچھ کر رہا ہوں اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔ چنانچہ تمام معتقدین مسیح خاموش ہو گئے اور جب آپ اس عزت افزا دعوت کے کاموں سے فارغ ہو گئے تو

فرمایا دیکھو تمہارے نزدیک میں تم سب میں زیادہ مرتبہ والا ہوں اسکے باوجود میں نے خود تمہاری خدمت کی ہے یہ اسلیئے کہ تم میری اس سنت پر عمل بن جاؤ۔ خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے بلکہ ہر بڑے چھوٹے کی خدمت کرے جس طرح خود میں نے تمہاری کی ہو اب تم سنو جو میرا خاص کام تھا اور جس کی وجہ سے آج میں تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو، تم سب مل کر آج رات بھر خشوع و خضوع سے میرے لئے دعائیں کرو کہ خدا میری اجل کو مؤخر کر دے۔ چنانچہ سب نے دعائیں کیں، لیکن خشوع و خضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس بے طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا، آپ انہیں بیدار کرنے لگے اور ایک ایک کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر کہنے لگے! تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے، میری کچھ مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا۔ اے رسول اللہ، ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک ہی نہیں بلکہ کئی کئی راتیں جاگتے تھے۔ جاگنے کے عادی تھے لیکن خدا جانے آج کیا بات ہے کہ، نیند نے گھیر رکھا ہے دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ تو آپ نے فرمایا، پھر چرواہا نہ رہے گا اور بکریاں بھاگ جائیں گی، غرض اشاروں کنایوں میں صورت حال کا اظہار کرتے رہے۔ پھر فرمایا دیکھو تم میں کا ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کریگا۔ اور تم میں سے ایک چند درہم کے بدلے مجھے بیچ دیگا اور میری قیمت کھائے گا۔ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے، ادھر ادھر چلے گئے، یہود جو اپنی جستجو میں تھے انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اسکا ساتھی ہے، مگر شمعون نے کہا غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں، انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جاکر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنے آپ کو چھڑوایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ افسوس کرنے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح کو ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی اور حضرت عیسیٰؑ کا پتہ بتلا دیا، اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے، اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ، آپ تو مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے جنات کو بھگا دیا کرتے تھے، مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے۔ اب کیا بات ہے کہ خود اپنی ذات کو بھی نہیں بچا سکتے۔ ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے تف ہے تم پر یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے، اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینی تھی اور ارادہ کیا کہ سولی چڑھا دیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا، سولی پر چڑھا دیا۔ پھر سات دن کے بعد حضرت مریمؑ اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰ نے جن سے نجات دلوائی تھی وہاں آئیں اور گریہ وزاری کرنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰ آئے اور ان سے کہا کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور مجھے ان کی ایذائیں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں، چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے جس حواری نے آپ کو بیچا تھا اسے انہوں نے وہاں نہ پایا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا۔ اس نے خود کشی کر لی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، اس کا نام یحییٰ ہے، اب یہ تمہارا ساتھی ہے، سنو! صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی، ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا، تو اسے چاہیئے کہ اسی قوم میں جاکر اسے میری دعوت پہنچائے اور خدا سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔ ابن اسحاق کا قول ہے کہ، بنو اسرائیل کا یہ بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰؑ کے قتل کے لئے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داؤد تھا، حضرت عیسیٰ اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان، حواس باختہ اور اس قدر ہائے وائے کرنے والا نہ ہو گا۔ جس قدر آپ نے اس وقت کی، یہاں تک کہ فرمایا، خدایا! اگر موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے" اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کی وجہ سے ان کے جسم سے خون پھوٹنے لگا۔ اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے جن کے نام یہ ہیں، فرطوس یعقوبس یلاد نخس (یہ یعقوب کا بھائی تھا) اندرا ئیس۔ فیلبس۔ ابن یلما۔ منتا۔ طوماس۔ یعقوب بن حلقایا۔ نداوسیس۔ فتاتیا۔ لیودس زکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں کہ تیرہ آدمی تھے۔ ایک اور کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ کی بشارت پر منظور کیا تھا

یہودیوں کا باہمی اختلاف

جب حضرت عیسیٰ ؑ آسمان پر چڑھائے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے اب جو شمار کرتے ہیں تو ایک کم ہے۔ ایک شخص کی کمی ہو جانے سے ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ ؑ کو پہچانتے نہ تھے، تو یہوداس ذکریا یوطا نے تیس درہم لیکر ان کو کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں، جس شخص کو جا کر میں بوسہ دوں، تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہیں، جب یہ اندر پہنچتے ہیں تو اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھائے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے۔ اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور سرجس گرفتار کرلئے گئے اس ارتکاب اور مخبری کے بعد یہ حواری بہت نادم ہوا، اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یہوداس ذکریا یوطا تھا۔ یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ ؑ کی شناخت کے لئے اس گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ ؑ تو اٹھا لئے گئے اور خود اسکی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا۔ لیکن کون سنتا؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اب خدا ہی کو علم ہے کہ عیسیٰ کی مشابہت میں سرفروشی کرنے والا مومن صادق سرجس تھا۔ یا یہوداس ذکریا یوطا منافق حواری؟ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ کی مشابہت جس پر ڈالی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی۔

ایک پیشین گوئی

اس کے بعد بیان ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریرہ فرماتے ہیں کہ اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ موت عیسیٰ سے پہلے۔ یعنی جب آپ قتل دجال کے لئے دوبارہ زمین پر آئیں گے، اس وقت تمام مذاہب اٹھ جائیں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم حنیف کی ملت ہے رہ جائے گی ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں مَوْتِهٖ سے مراد حضرت عیسیٰ ؑ کی موت ہے۔ ابو مالکؒ فرماتے ہیں جب جناب مسیح ؑ اتریں گے، اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ ابن عباس رضؓ سے دوسری روایت میں ہے۔ خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے روایت ہے کہ قسم خدا کی حضرت عیسیٰ ؑ خدا کے پاس اب بھی زندہ موجود ہیں جب آپ زمین پر نازل ہوں گے، اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی باقی نہ بچے گا جو آپ پر ایمان نہ لائے، آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے، تو آپ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسیح ؑ کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ حضرت قتادہ اور حضرت عبدالرحمٰنؒ وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے۔ انشاء اللہ خدا تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بدلائل ثابت کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے، اس لئے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر واضح ہو جاتا ہے۔ تو ہر کتابی یعنی ہر اہل کتاب حضرت عیسیٰ ؑ کی حقانیت کو اس دار فانی سے روانگی کے پیشتر ہی باور کر لیتا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ پر ایمان نہ لائے۔ حضرت مجاہدؒ کا بھی قول ہے بلکہ ابن عباس رضؓ سے تو یہاں تک روایت ہے کہ، اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے، تاہم اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ ؑ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہدے کہ آپ خدا کے بندے اور اس کے رسولؑ ہیں۔ حضرت ابی کی قرأت میں قَبْلَ مَوْتِهِمْ ہے۔ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ فرض کرو، کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا۔ پھر بھی اس درمیانی فاصلہ میں وہ ایمان لا چکتا ہے، عکرمہؒ، محمد بن سیرینؒ، ضحاکؒ اور جویبرؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسنؒ سے بھی روایت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قول کی تائید میں بھی ہو سکتا ہو اور حضرت عیسیٰ ؑ کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے ایمان لائے گا۔ عکرمہؒ یہی فرماتے ہیں امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ ان سب اقوال میں زیادہ ترصحیح قول پہلا ہی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ ؑ آسمان سے قریب قیامت کے اتریں گے اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔

روایت اور پھر درایت

فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ حق بجانب ہے اس لئے کہ اس موقعہ کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح ؑ کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے بھی یہ کہا ہے ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے نہ مصلوب ہوئے بلکہ ان کے لئے شبیہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کے ایک ہم شکل شخص کو قتل کیا لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا، خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس اٹھا لیا وہ زندہ ہیں، اب تک باقی ہیں قیامت کے قریب اتریں گے جیسے صحیح متواتر حدیثوں میں ہے۔ مسیح دجال کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیروں کو قتل کریں گے جزیہ قبول نہیں کریں گے۔ اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کر دو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام سے رُک سکے یا رُکے۔ پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں، یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے یہ ان پر قیامت کے دن خدا کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل کی زندگی کے معائنہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گزاری اس میں اس کے سامنے جو کام انہوں نے کئے وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور خدا کے سامنے انہیں پیش کریں گے۔ ہاں اس کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان کئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں فرشتۂ موت کے آجانے کے بعد احوال آخرت سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے، لیکن وہ ایمان خدا کے نزدیک معتبر نہیں۔ اسی سورۃ کے شروع میں ہے وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ الخ دوسری جگہ فرمان ہے فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ یعنی جو لوگ موت کے آجانے تک برائیوں میں مشغول رہے ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب خدا دیکھ کر ایمان لائیں انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال کی جو امام ابن جریر نے تردید کی ہے یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقربا اس کے وارث نہ ہوں اس لئے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ ؑ پر اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں اور مسلمان کا وارث کافر ہو نہیں سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ خدا کے نزدیک معتبر ہو، نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل بے سود ہے۔ ابن عباس ؓ کے قول پر گہری نظر ڈالئے کہ دیوار سے گرتے ہوئے۔ درندے کے چباتے ہوئے۔ تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں، واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب تو وہی ہے جو پہلا قول ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ ؑ آسمانوں پر زندہ موجود ہیں۔ قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں دونوں کو جھوٹا بتائیں گے۔ اور جو افراط و تفریط انہوں نے کی ہے اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے، جنہوں نے آپ کو آپ کے مقام سے بہت گرا دیا۔ اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا اس کا بھی اثبات کیا اور مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا۔ جس سے خدا کی ذات بالکل پاک ہے۔

احادیث

اب ان حدیثوں کو سنئے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری جسے سارے [illegible] قبول کیا

اس میں امام بخاری علیہ الرحمۃ کتاب ذکر انبیاء میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم ؑ نازل ہوں گے۔ عادل حاکم بن کر صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے کوئی لینا منظور نہ کرے گا۔ ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہوگا۔

اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت وَإِنْ مِّنْ کی آخر تک تلاوت کی۔ صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے اور سند سے بھی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے۔ اس میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہوگا اور اس آیت کی تلاوت میں قَبْلَ مَوْتِهِ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ قَبْلَ مَوْتِ عِيسَىٰ بن مَرْيَمَ پھر اسے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کا تین مرتبہ دُہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عیسیٰ ؑ حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں گے۔ میدان فج روحا میں یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ مسند کی دوسری حدیث میں ہے عیسیٰ بن مریم ؑ اتریں گے خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور مال راہ خدا میں اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔

خراج چھوڑ دیں گے، روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہ رضؓ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہؒ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا ابو ہریرہ رضؓ کے اپنے۔ صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا جب تمہارے درمیان مسیح بن مریم ؑ اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔

ابو داؤد و مسند احمد وغیرہ میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم ؑ سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں۔ اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں یقیناً وہ اترنے والے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام

پس تم انہیں پہچان لو۔ درمیانہ قد ہے، سُرخ و سفید رنگ ہے۔ دو گیروے کپڑے اوڑھے باندھے ہوئے ہوں گے۔ ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اگرچہ تری نہ پہنچی ہو۔ صلیب توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ قبول نہ کریں گے۔ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے ان کے زمانہ میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی۔ صرف اسلام ہی اسلام رہے گا۔ ان کے زمانہ میں اللہ تعالٰے مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امانت واقع ہوگی یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے چگتے پھریں گے۔ اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے۔ انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے۔ چالیس برس تک ٹھہریں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ابن جریر کی اسی روایت میں ہے، آپ لوگوں سے ان کو مسلمان کرنے کے لئے جہاد کریں گے۔ اس حدیث کا ایک ٹکڑا صحیح بخاری میں بھی ہے، اور روایت میں ہے کہ سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے، قیامت قائم نہ ہوگی جب تک رومی اعماق یا دابق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لئے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ جائے، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے۔ جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے، ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے ہیں ہم ان سے لڑنا چاہتے ہیں، تم درمیان سے ہٹ جاؤ۔ لیکن مسلمان کہیں گے، واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہوگی۔ مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوگا، ان لوگوں کی توبہ اللہ تعالٰے ہرگز قبول نہ فرمائے گا، اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا، جو خدا کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں۔ لیکن آخری

تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آجائے گا۔ یہ پھر کسی فتنے میں نہ پڑیں گے۔ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔

خروج دجال

وہ اپنی تلواریں زیتوں میں لٹکائے ہوئے مالِ غنیمت تقسیم ہی کر رہے ہوں گے عین اسی حالت میں شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آگیا، اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے، شام میں پہنچیں گے، دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لئے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہو گی اور حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ نازل ہوں گے، ان کی امامت کرائیں گے۔ جب دشمن خدا انہیں دیکھے گا تو اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ ؑ اسے یوں ہی چھوڑ دیں جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزہ پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ؐ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے ابراہیم ؑ، موسیٰ ؑ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی ابراہیم ؑ نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اسی طرح موسیٰ نے بھی۔ لیکن حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا، اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا۔ ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے گا۔ جب وہ مجھے دیکھ لیگا یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے آ اور اسے قتل کر پس اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن و امان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے۔

یاجوج وماجوج

اس کے بعد یاجوج وماجوج نکلیں گے اور ہر طرف چڑھ آئیں گے، تمام شہروں کو روند ڈالیں گے جس جس چیز پر ان کا گزر ہو گا اسے ہلاک کر دیں گے۔ جس پانی کے پاس سے گذریں گے پی جائیں گے لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ سے دعا کروں گا تو اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دیں گے۔ لیکن ان کے مردہ جسموں سے متعفن ہو جائے گی، بدبو پھیل جائے گی، پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔

پس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہوگی، جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو ہو جائے، رات کو پیدا ہو یا دن کو؟[1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابو نضرہ فرماتے ہیں ہم حضرت عثمان بن ابو العاص رض کے پاس جمعہ کے روز آئے کہ اپنا لکھا ہوا قرآن ان کی قرأت سے ملائیں، جمعہ کا جب وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا غسل کرو، پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے مل پھر مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی۔ پھر حضرت عثمان بن ابو العاص رض آئے، ہم کھڑے ہو گئے۔ پھر سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا

قیامت کی نشانیاں

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے، ایک دونوں سمندر ملنے کی جگہ پر۔ ایک خیرہ میں اور ایک شام میں۔ پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی پھر دجال نکلے گا یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا وہاں کے لوگ تین حصوں میں ہو جائیں گے۔ ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کیا ہوتا ہے؟ اور دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری؛

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ایام حمل (عام حالات میں نو ماہ) پورے ہونے کے بعد جس طرح صبح و شام میں بچہ پیدا ہی ہونے والا ہو اسی طرح قیامت بس صبح و شام میں قائم ہی ہو جائے گی۔
(انظر شاہ کشمیری)

جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہوگا۔ دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے، جن کے سروں پر تاج ہونگے ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہوگی۔ یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے، ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے، اس وجہ سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کی وجہ سے برا حال ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں بھون بھون کر کھالیں گے۔ جب سخت تنگی میں ہوں گے تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہارے لئے امداد آگئی، اب آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے، کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام

عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریمؑ نازل ہوں گے ان کا امیر آپ سے کہیگا کہ اے روح اللہؑ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض لوگ بعض کے امیر ہیں، چنانچہ انہیں کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا۔ فارغ ہونے کے بعد آپ اپنا حربہ ہاتھوں میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے۔ دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا۔ آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا، یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی۔

دجال اور اس کی نشانیاں

ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا۔ جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہا تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں۔ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں، میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا اگر میری موجودگی میں آگیا تب تو میں اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو خود کو اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالےٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا دائیں بائیں خوب گھومے گا۔ لوگو! اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا۔ سنو میں تمہیں اس کی ایسی صفت سناتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں سنائی۔ وہ ابتداءً دعوےٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں۔ پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا۔ اور کہیگا میں خدا ہوں۔ پس تم یاد رکھنا کہ خدا کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا مرنے کے بعد عالم آخرت میں دیدار باری ہو سکتا ہے۔ اور سنو وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں، اسکی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایماندار پڑھ لے گا اسکے ساتھ آگ بھی ہوگی اور باغ ہوگا، اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا، سنو! تم میں سے جو اس کی آگ میں ڈالے وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے، اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی باعث بن جائیگی، جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہو گئی تھی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کردوں، پھر تو تو مجھے رب مان لے گا وہ اقرار کرے گا۔ اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور اس سے کہیں گے، بیٹے یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے۔ اسکا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائیگا۔ اسے آرے سے چیر دو ٹکڑے کر دے پھر لوگوں سے کہیگا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں اسے زندہ کردوں گا۔ لیکن پھر بھی یہی کہیگا کہ اس کا رب میرے سوا اور کوئی ہے۔ چنانچہ یہ اسے اٹھا بیٹھائیگا۔ اور خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیگا میرا رب اللہ تعالیٰ ہے اور تو خدا دشمن دجال ہے۔ خدا کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ یقین ہو گیا۔ دوسری سند سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا یہ خیال تھا کہ وہ شخص حضرت عمر بن خطاب ہی ہونگے اور آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا۔

ایک فتنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا۔ اور آسمان سے بارش ہوگی وہ زمین کو پیداوار اُگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار ہوگی۔ اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اُسے نہ مانیں گے اسی وقت اُن کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گی۔ دوسرے قبیلے کے پاس جائے گا جو اُسے خدا مان لے گا اسی وقت اسی کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اُگائے گی ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین (ممالک) کا دورہ کرے گا جب مدینہ کا رُخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لئے ہوئے پائے گا تو سبخہ کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا۔ پھر مدینہ میں تین بھونچال آئیں گے اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی سب مدینہ سے نکل کر اُس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے سے دُور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو الگ کر دیتی ہے۔ اُس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا۔ اُم شریک رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اُس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا اوّلاً تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی۔ ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا۔ جو حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ یہ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تاکہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں۔ لیکن آپ اس کی کمر پہ ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ۔ اقامت تمہارے لئے کی گئی ہے۔ پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے کہ دروازہ کھول دو! پس کھول دیا جائے گا۔ ادھر دجّال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لئے ہوئے موجود ہوگا جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا۔ دجّال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا۔ لیکن آپ فرمائیں گے خدا نے مقرر کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا تو اُسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ اُسے مشرقی باب لُد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اُسے قتل کریں گے۔ اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے۔ لیکن اُنھیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی۔ ہر پتھر، ہر درخت، ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان! یہاں یہودی ہے آ کر اسے مار ڈال ہاں ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا۔ سال آدھے سال کے برابر، آدھا سال مہینہ بھر کی طرح اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ ؎ صبح ہی ایک شخص شہر کے دروازے سے چلے گا اور ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا ہوگا جو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ پھر اُن کے چھوٹے دنوں میں ہم کیسے نماز پڑھیں گے۔ آپ نے فرمایا اندازہ کر لیا کرو جس طرح ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔

برکاتِ عیسٰی علیہ السلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس عیسٰی بن مریم میری اُمت میں حاکم ہوں گے، عادل ہوں گے، امام ہوں گے، باانصاف ہوں گے، صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیے کو ہٹا دیں گے، صدقہ چھوڑ دیا جائے گا۔ پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی۔ حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا۔ ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا۔ بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انھیں کوئی ضرر نہ پہنچائے گا، شیروں سے لڑکے کھیلیں گے نقصان کچھ نہ ہوگا، بھیڑیے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کُتا ہو۔ تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لبالب بھرا ہو۔ سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا، اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی، قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے، زمین مثل سفید چاندی کے منوّر ہو جائے گی۔ اور جیسی برکتیں زمانہ آدم میں تھیں اُگا دے گی، ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوگا، ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ ایک جماعت کھاتے اور سیر ہو جائے، بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا۔ اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اُس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ ہوگی؟ فرمایا اس لئے کہ لڑائیوں میں اُس کی سواری بالکل

؎ یعنی یہ ایام نہایت تیزی اور جلدی سے گزر جائیں گے ۱۲ انور شاہ کشمیری

نہ اُگ جائے گی۔ دریافت کیا گیا کہ بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لئے کہ تمام زمین میں کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے ظہور سے پہلے تین سال بیشتر سخت قحط سالی ہوگی۔ پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم خدا روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا۔ پھر دوسرے سال خدا آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں کم کر دے۔ تیسرے سال آسمان سے بارش کا ایک قطرہ بھی نہ برسے نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی۔ تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے۔ مگر جسے خدا چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اُس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا اور سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا ہوگا۔ امام ابن ماجہ رح فرماتے ہیں میرے اُستاد نے اپنے استاد سے سُنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے اُستاد اُسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تاکہ انھیں بھی یاد رہے۔ یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصّوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں اسی حدیث کے مثل ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان رضؓ سے روایت ہے اُسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے ایک دن صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے بلند و پست کیا کہ ہم سمجھے کہیں مدینے کے نخلستان میں موجود نہ ہو۔ پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپؐ نے پہچان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا دجال کے علاوہ مجھے تو تم پر اور اس سے بھی بڑھ کر خوف ہے۔ اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں خود اس سے سمجھ لوں گا۔ اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اُس سے آپ بھگت لے گا۔ میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر خدا کو بناتا ہوں وہ جوان ہوگا آنکھ اُس کی اُبھری ہوئی ہوگی بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن کی طرح ہوگا تم میں سے جو اُسے دیکھے اس کو چاہیے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے۔ وہ شام و عراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا۔ اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا۔ ہم نے پوچھا حضور وہ کتنی مدت رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا چالیس دن۔ ایک دن ایک سال کے برابر ایک دن ایک مہینے کے برابر ایک دن جمعہ کے برابر۔ اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں کی طرح۔ پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا کیا اُس میں ایک ہی دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو! ہم نے پوچھا یا رسول اللہ اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا ایسی جیسے بادل ہواؤں کے ذریعہ بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے اُن پر بارش ہوگی زمین سے کھیتی اور پھل اُگیں گے اُن کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ دینے والے ہو جائیں گے ایک قوم کے پاس جائے گا جو اُسے جھٹلائے گی اور اُس کا انکار کر دے گی۔ یہ وہاں سے واپس ہوگا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا وہ بنجر زمین پر کھڑا ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانو! نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اُسے قتل کرے گا۔ اور اُس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا کہ ایک تیر کی رفتار ہو پھر اُسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اُس کے پاس آ جائے گا اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے باندھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اُتریں گے جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اُٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے ڈھلکیں گے جس کا فرق اُن کا

ف عہد حاضر میں جنگ کے طریقے جس طرح پر بدل گئے اور گھوڑوں کے بجائے جہازوں، ٹینکوں اور سیکڑوں نئے اسلحہ جات جنگ سے کام لیا جانے لگا آپ کی یہ پیشین گوئی کس قدر صحیح اور سچی ثابت ہو رہی ہے صاف ہی قیامت کی نشانیاں ہر شعبۂ زندگی میں کتنی تیزی کے ساتھ نمودار ہو رہی ہیں یہاں تک کہ جنگ کا میدان بھی اب قیامت کی اطلاعات دے رہا ہے ۱۲ منظر شاہ کشمیری

ف ان تمام برکات پر حیرت کیوں ہو۔؟ انصاف و عدالت کی پختہ بنیادوں پر جب کبھی دنیا میں حکومتیں قائم ہوئیں تو ان کے عدل پرور عہد میں بھی برکات کا دامن وسیع ہو گیا اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت خدائی قانون عدل وانصاف کی بے نظیر اسٹیٹ ہوگی اس لئے اس میں برکات کا ظہور بھی پوری قوت کے ساتھ ہوگا ۱۲ منظر شاہ کشمیری

ف دجال کی حکومت خدائی قوانین کے خلاف حکومت الٰہیہ کے دستور سے ہٹ کر شیطان و طاغوت کی ایک فرمانروائی ہوگی ایسے کٹھن اوقات میں اللہ جل جلالہٗ کا غضب بڑھ جاتا ہے اور زمین خیر و برکت سے محروم ہو جاتی ہے جب تک دجال کے [illegible] سب کچھ ہوگا ۱۲ منظر شاہ کشمیری

سانس پہنچ جائے گا وہ مرجائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے۔ آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اُسے پاکر قتل کریں گے۔ پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے جنھیں خدا نے اس فتنے سے بچا رکھا ہو گا ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور ان کے اعلیٰ مراتب کی انھیں خبریں دیں گے۔ اب خدا کی طرف سے حضرت عیسیٰؑ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔ پھر یاجوج ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آجائیں گے۔ بحیرۂ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اُس کا سارا پانی پی جائے گا جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ ایسا سوکھا پڑا ہو گا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی نہیں تھا۔ حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے ساتھی مؤمن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انھیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمھیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں۔ اب آپ اور مؤمن خدا سے دعائیں اور التجائیں کریں گے۔ اللہ اُن پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا جس میں وہ سب ایک ساتھ فنا ہو جائیں گے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے ساتھی زمین پر اُتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو اُن کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی ہو۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو اُن کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں خدا چاہے ڈال آئیں گے پھر بارش ہو گی جس سے تمام زمین دُھل دُھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی پھر زمین کو حکم ہو گا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں ظاہر کر۔ اُس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہو گا اور وہ سب اُس کے چھلکے تلے آرام حاصل کرسکیں گے ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا۔ پھر پروردگارِ عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایمان داروں مرد عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی اُن کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے، ان پر قیامت قائم ہو گی۔ مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اُسے ہم سورۂ انبیاء کی آیت حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ الخ کی تفسیر میں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو رضہ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آجائے گی آپ نے سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمھیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے۔ بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہو گا وہ ہو گا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھیرے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰؑ بن مریمؑ کو بھیجے گا آپ کی صورت مثل عروہ بن مسعود کے ہے آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں گے پھر سات سال تک لوگ اس طرح رہیں گے کہ دو میں کچھ عداوت نہ ہو گی۔ پھر ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی بھلائی یا ایمان ہو گا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے اچھائی بُرائی کی کوئی تمیز اُن میں نہ ہو گی۔ شیطان اُن کے پاس انسانی صورت میں آکر انھیں بُت پرستی کی طرف مائل کر دے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزیوں کے دروازے ان پر کھلے ہوئے ہوں گے اور زندگی آرام سے گزر رہی ہو گی پھر صور پھونکا جائے گا جس سے لوگ گرنے پڑنے لگیں گے ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لئے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہو گا سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی جس سے یہ اور تمام لوگ بے ہوش ہو جائیں گے غرض سب کے فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائیں گے جو مثل شبنم کے یا مثل سایہ کے ہو گا اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا سب کے سب جی اُٹھیں گے۔ پھر کہا جائے گا

---

۱ یعنی اس محاصرہ میں رہنے کی وجہ سے اور کھانے پینے کی تمام ضروریات مہیا نہ ہونے کی بنا پر بیل کی معمولی سی قیمت سو دینار سے بھی زیادہ ہو گی۔ اور ایک لقمہ کے ملنے میں وہ خوشی محسوس کریں گے جو ان کو سو دینار کے ملنے سے بھی نہ ہو گی ۱۲ انور شاہ کشمیری ۲ مطلب یہ ہے کہ اتنے بڑے بڑے انار ہوں گے کہ اس کا عرق بہت سوں کے لئے کافی ہو گا اور اس کے چھلکے کے سایہ میں بہت سے آدمی بیٹھ سکیں گے آج بھی یوپی کے بعض علاقوں میں کئی دھڑی کے خربوزے ملتے ہیں اور فلسطین و شام کے علاقوں میں غیر معمولی وزن کے انار پیدا ہوتے ہیں اس لئے ان خبروں میں کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں ۳ اس وجہ سے کہ تم حدیث کو سمجھتے ہی نہیں پھر سنانے ...

لوگو! اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھیراؤ ان سے سوال کیا جائے گا پھر فرمایا جائے گا جہنم کا حصہ نکالو پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔ مسند احمد میں ہے ابن مریمؑ باب لُد کے پاس یا لُد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ ترمذی میں باب لُد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اس کے بعد امام ترمذیؒ نے چند اور صحابہؓ کے نام لئے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بے شمار ہیں جنھیں جمع کرنا سخت دشوار ہے مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں قیامت قائم نہ ہوگی۔ آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا۔ دھوئیں کا آنا۔ دابۃ الارض کا نکلنا۔ یاجوج ماجوج کا آنا۔ عیسیٰؑ بن مریم کا نازل ہونا۔ دجال کا آنا۔ تین جگہ کا دھنس جانا۔ مشرق میں مغرب میں اور جزیرۂ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر یک جا کر دے گی۔ وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کرے گی اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے یہ آگ ان کے ساتھ ہی رہے گی یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے۔ اور حضرت حذیفہ بن اُسید غفاری سے موقوفاً بھی مروی ہے واللہ اعلم۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن مسعود، حضرت عثمان بن ابو العاص، حضرت ابو امامہ، حضرت نواس بن سمعان، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت مجمع بن جاریہ، حضرت ابو سریحہ، حضرت حذیفہ بن اُسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اُتریں گے اور کہاں اُتریں گے اور کس وقت اُتریں گے یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی منارہ پر آپ اُتریں گے۔ اس زمانے میں یعنی سن سات سو اکتالیس میں جامع اُموی کا منارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے اس لئے کہ آگ کے صدمہ سے یہ جل گیا ہے۔ اور یہ آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے کیا عجب کہ یہی وہ منارہ ہو جس پر مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے، صلیبوں کو توڑ دیں گے جزیے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور دین قبول نہ فرمائیں گے جیسے کہ صحیحین کی حدیثیں گذر چکیں جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتلایا ہے یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام شک و شبہے ہٹ جائیں گے اور لوگ حضرت عیسیٰؑ کی پیروی میں اسلام قبول کر لیں گے جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ اور ایک قرأت میں لَعَلَمٌ ہے یعنی جناب مسیحؑ کا نزول قیامت کا ایک زبردست نشان ہے یعنی قرب قیامت کا۔ اس لئے کہ آپ دجال کے آچکنے کے بعد تشریف لائیں گے اُسے قتل کریں گے جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج نہ مہیا کیا ہو آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا قرآن کریم ان کے نکلنے کی بھی خبر دیتا ہے فرمان ہے حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اب حضرت عیسیٰؑ کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔

انبیاءؑ کا حلیہ

پہلے کی دو حدیثوں میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلۃ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کی وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ سے بھی ملاقات کی وہ سُرخ رنگ، میانہ قد ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو بھی میں نے دیکھا بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے بخاری کی اور روایت میں ہے حضرت عیسیٰؑ سُرخ رنگ، گھونگریالے بالوں والے، چوڑے چکلے سینے والے تھے۔ حضرت موسیٰؑ گندمی رنگ کے جسیم اور سیدھے بالوں والے تھے جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے دجال کی شکل و صورت بھی بیان فرما دی ہے کہ اُس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی جیسے پھولا ہوا انگور۔ آپ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے جن کے سر کے پٹھے دونوں مونڈھوں تک تھے، صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے دو شخصوں

کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم ہیں میں نے اُن کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی۔ ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا سخت اُلجھے ہوئے بال تھے وہ بھی دو شخصوں کے مونڈھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجّال ہے بخاری کی اور روایت میں حضرت عبد اللہ رضؓ سے مروی ہے کہ خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰؑ کو سُرخ رنگ کا نہیں بتلایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتلایا ہے۔ پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہری رحؒ فرماتے ہیں ابن قطن قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص تھا جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سات سال رہیں گے تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اُس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اُٹھائے جانے سے پہلے گذاری ہے جس وقت آپ اُٹھائے گئے اس وقت آپ کی عمر تینتیس ۳۳ سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے۔ تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم (ابن عساکر) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے اُس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سو سال کی تھی یہ بالکل واہی اور دُور کا قول ہے۔ ہاں حافظ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آپ کے ساتھ ہی دفن کئے جائیں گے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ خدا کی رسالت آپ نے انھیں پہنچا دی تھی اور خود آپ نے خدا کی عبودیت کا اقرار کیا تھا۔ جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ سے اَلْحَکِیْمُ تک ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور خدا کے سوال کا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ

سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو اُن کے لئے حلال تھیں اُن پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو

اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۸﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ اُن کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اسکے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۹﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اور ہم نے اُن لوگوں کیلئے جو ان میں کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے۔ لیکن ان (یہود) میں جو لوگ علم (دین) میں پختہ ہیں اور جو (ان میں) ایمان لے آنیوالے ہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ

کہ (اس کتاب) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے پاس بھیجی گئی اور اس پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو آپ سے پہلے بھیجی گئی اور جو (ان میں) نماز کی پابندی کرنیوالے ہیں اور

۲۲ ع ۲

الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع

جو (ان میں) زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو (ان میں) اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں (سو) ایسے لوگوں کو ہم ضرور (آخرت میں) ثواب عظیم عطا فرماویں گے

نافرمانی خدا کی نعمتوں سے محروم ہونے کا سبب

اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ حرمت قدری ہو یعنی مقدرات خدا میں یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں اُس میں تحریف کریں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھیرا لیں صرف اپنے تشدّد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے۔ دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزولِ توراۃ سے پہلے جو بعض چیزیں اُن پر حلال تھیں توراۃ کے اُترنے کے وقت اُن کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دیدی گئیں۔ جیسے فرمان ہے كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیلؑ

نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اس کے ماسوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے پھر توراۃ میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں جیسے سورۂ انعام میں فرمایا وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو ہم نے اُن پر حرام قرار دیدی۔ یہ اس لئے کہ یہ باغی طاغی اور مخالفِ رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کے ظلم و زیادتی کے باعث خود راہِ خدا سے یکسو ہو کر دوسروں کو اُس سے بھٹکانے کے باعث جو ان کی پُرانی عادت تھی رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے اُنھیں قتل کر ڈالتے تھے اُنھیں جھٹلاتے تھے مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خواریاں کرتے تھے جو محض حرام تھیں اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال مار کھانے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ خدا نے یہ کام حرام کئے ہیں جرأت سے انھیں کر گذرتے تھے اس باعث ان پر حلال چیزیں بھی بعض بعض ہم نے حرام کر دیں۔ ان کفار کے لئے دردناک عذاب تیار ہیں لیکن ان میں جو پکے دین والے اور پختہ علم والے ہیں۔ اس جملہ کی تفسیر سورۂ آلِ عمران میں گذر چکی ہے۔ اور جو باایمان ہیں یہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضرت ثعلبہ بن سعیدؓ حضرت زید بن سعیدؓ حضرت اُسید بن عُبیدؓ رضی اللہ عنہم ہیں جو اسلام میں آ گئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مان چکے تھے آگے کا جملہ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ تمام ائمہ کے قرآن میں اور اُبی بن کعبؓ کے صحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریرؒ ابن مسعود کے صحیفے میں وَالْمُقِيمُونَ الصَّلَاةَ ہے صحیح قرأت اگلی ہی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابت کی غلطی بتایا ہے اُن کا قول غلط ہے بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے جیسے وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ الخ میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ پر یعنی وہ اُس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر بھی اُن کا ایمان ہے یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی اُن کا قرآن پر اور خدائی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے امام ابن جریرؒ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔ اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔ اور صرف خدا ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگانی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے بُرے عمل کی جزا سزا اس دن ملے گی۔ یہی لوگ ہیں جنھیں ہم اجرِ عظیم یعنی جنت دیں گے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ

ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی ہے جیسے نوح کے پاس بھیجی تھی اور اُن کے بعد اور پیغمبروں کے پاس اور ہم نے ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَ

اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور

يُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿١﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ

یونس اور ہارون اور سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور دی تھی اور ایسے پیغمبروں کو صاحب وحی بنایا

عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿٢﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ

جن کا حال اسکے قبل ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ایسے پیغمبروں کو جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔ ان سب کو خوشخبری دینے والے اور

وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٣﴾

ڈرانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ پورے زور والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں

وحدتِ دین حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نہیں مانتے کہ حضرت

موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں جب آیت یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ عَظِیْمًا تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر خدا نے کوئی اپنا کلام نازل ہی نہیں فرمایا نہ موسیٰ پر نہ عیسیٰ پر نہ کسی اور نبی پر آپ اس وقت گوٹ لگائے بیٹھے تھے۔ؒ اسے آپ نے کھول دی اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ الخ نازل فرمائی لیکن یہ قول تامل طلب ہے اس لئے کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکی ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنی ہے جو ان کے رد میں ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ پر اتار لائیں جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰؑ سے انھوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا الخ۔ پھر ان کے عیوب بیان فرمائے اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں کھولیں۔ پھر فرمایا کہ خدا نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء کی طرف۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتری تھی۔ ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورۂ قصص کی تفسیر میں ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا جن انبیائے کرام کے نام لفظوں میں آ گئے ہیں یہ ہیں۔ آدم، ادریس، نوح، ہود، صالح، ابراہیم، لوط، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، یسع، زکریا، یحییٰ اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل (اور ایوب اور الیاس) اور ان سب کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔

انبیاء کی تعداد

اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے پوچھا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ۔ بہت بڑی جماعت ہے پھر دریافت کیا سب سے پہلے کون سے ہیں؟ فرمایا آدمؑ۔ میں نے کہا کیا وہ بھی رسول تھے؟ فرمایا ہاں اللہ نے انھیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا پھر ان میں اپنی روح پھونکی پھر درست اور ٹھیک ٹھاک کیا۔ پھر فرمایا اے ابو ذر چار سریانی ہیں۔ آدم، شیث، نوح۔ یہ خنوخ جن کا مشہور نام ادریس ہے انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں ہود، صالح، شعیبؑ اور تمہارے نبیؐ۔ اے ابو ذر بنو اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰؑ ہیں اور آخری حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبیؐ ہیں۔ اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے۔ اور جس پر صحت کا حکم لگایا ہے لیکن ان کے برخلاف امام ابو الفرج ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں۔ اور ابراہیم بن ہاشم اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے واللہ اعلم۔ لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابو امامہ سے بھی روایت ہے لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں۔ اور قاسم بن عبد الرحمٰن بھی ضعیف ہیں۔ ایک اور حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں۔ چار ہزار بنو اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زیدی اور ان کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو یعلیٰ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا ہوں اور حدیث میں ہے میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی نقص نہیں بجز احمد بن طارق کے کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی عدالت یا جرح نہیں ملی واللہ اعلم ابو ذر غفاری والی طویل حدیث جو انبیاء کی گنتی کے بارے میں ہے اسے بھی سن لیجئے آپ فرماتے ہیں میں مسجد میں آیا اس وقت حضور

ؒ عرب کا دستور تھا کہ دو زانو بیٹھ کر کپڑا پنڈلی سے باندھ لیتے تھے وہ کیفیت یہاں مراد ہے ۱۲ انور شاہ کشمیری +

صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف فرما تھے۔ میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا آپ نے نماز کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ بہتر چیز ہے چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی۔ میں نے کہا حضور کون سے اعمال افضل ہیں؟ فرمایا اللہ پر ایمان لانا اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے کہا حضور کون سا مومن افضل ہے؟ فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا۔ میں نے کہا حضور کون سا مسلمان اعلیٰ ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔ میں نے پوچھا کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا برائیوں کو چھوڑ دینا۔ میں نے پوچھا کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا لمبے قنوت والی۔ میں نے پوچھا کونسا روزہ افضل ہے؟ فرمایا فرض کفایت کرنے والا ہے۔ اور اللہ کے پاس بہت بے حد ثواب ہے۔ میں نے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اُس کا بھی خون بہا دیا جائے۔[ا] میں نے کہا کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو۔ میں نے پوچھا صدقہ کون سا افضل ہے؟ فرمایا کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دیدینا۔ میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ فرمایا آیت الکرسی۔ پھر آپ نے فرمایا اے ابو ذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلہ میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر۔ میں نے کہا حضور انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ۔ بہت بڑی پاک جماعت۔ میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا آدم۔ میں نے کہا کیا وہ بھی نبی تھے؟ فرمایا ہاں انھیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انھیں صحیح تر بنایا۔ پھر آپ نے فرمایا سنو، چار تو سریانی ہیں۔ آدم، شیث، خنوخ اور یہی ادریس ہیں جس نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح۔ اور چار عربی ہیں۔ ہود، شعیب، صالح اور تمہارے نبی۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ پر توراۃ سے پہلے دس صحیفے اور توراۃ، انجیل، زبور اور فرقان۔ میں نے کہا یا رسول اللہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا۔ اے بادشاہ مسلط کیا ہوا مبتلی مغرور میں نے تجھے دنیا جمع کرنے کے لئے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو میرے سامنے سے ہٹا دے اگر میرے پاس پہنچے تو میں اُسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو اور اُن میں مثالیں بھی تھیں یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے ایک وقت خدا کی صفات میں غور کرے ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے۔ عاقل کو تین چیزوں کے سوا کسی میں منہمک نہ ہونا چاہیے یا توشہ آخرت یا فکر معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور و لذت۔ عاقل کو چاہیے کہ اپنا وقت دیکھتا رہے اپنے کام میں لگا رہے اپنی زبان کی نگہداشت کرے جو شخص اپنے قول کو اپنے فعل سے ملاتا رہے گا وہ بہت ہی کم گو ہو گا۔[ب] کلام وہی کرو جو تمہیں نفع دے۔ میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا سراسر عبرتیں۔ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر ہنستا ہے۔ تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر ہائے ہائے کرتا ہے دنیا کی بے ثباتی دیکھتا ہے پھر اس پر اطمینان کئے ہوئے ہے قیامت کے دن کے حساب کو جانتا ہے پھر بے عمل ہے۔ میں نے کہا حضور اگلے انبیاء کی کتابوں میں جو تھا اُس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پڑھو قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ آخر سورت تک۔ میں نے کہا حضور مجھے وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں یہی تیرے کام کی چیز ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کچھ اور بھی آپ نے فرمایا تلاوت قرآن اور ذکر اللہ میں مشغول رہ۔ وہ تیرے لئے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کا باعث ہو گا۔ میں نے پھر

[ا] یعنی اس بے جگری سے لڑے کہ جہاد میں وہ اور اس کا گھوڑا دونوں قتل ہو جائیں تو یہی شہادت کا اعلیٰ مقام ہے اس ارشاد میں پوری تندھی سے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑنے کی ترغیب ہے ۱۲ انظر شاہ [ب] یعنی اجر کے اعتبار سے ۱۲ انظر شاہ [ج] یعنی قول و فعل میں مطابقت رکھے گا ایسا نہ ہو کہ کہے کچھ کرے کچھ کہ یہ نفاق کی علامت ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

کہا حضور اور زیادہ فرمائیے۔ فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے بچ وہ دل کو مردہ کر دیتی ہے اور چہرہ کا نور دُور کر دیتی ہے۔ میں نے کہا اور زیادہ۔ فرمایا جہاد میں مشغول رہ۔ میری اُمّت کی رہبانیت درویشی یہی ہے۔ میں نے کہا اور وصیّت کیجئے۔ فرمایا سوائے بھلی بات کے تجھے کے زبان بند رکھا کر اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجئے۔ فرمایا اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کر اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈال اس سے تیرے دل میں خدا کی نعمتوں کی عظمت ہوگی۔ میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجئے۔ فرمایا مسکینوں سے محبّت رکھ اور ان کے ساتھ بیٹھ اس سے خدا کی رحمتیں تجھے بہت بڑی معلوم ہوں گی میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا قرابت داروں سے ملا رہ گو وہ تجھ سے نہ ملیں۔ میں نے کہا اور۔ فرمایا حق گوئی کر گو وہ کسی کو کڑوی لگے۔ میں نے اور بھی نصیحت طلب کی۔ فرمایا اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر۔ میں نے کہا اور فرمائیے۔ فرمایا اپنے عیبوں پر نظر ڈال کر دوسروں کی عیب گیری سے باز آ جا پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا۔ اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقلمندی نہیں اور حرام سے رُک جانے کے برابر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق جیسا کوئی نسب نہیں۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ کمی کے ساتھ مذکور ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضؓ پوچھتے ہیں کہ کیا خارجی بھی دجّال کے قائل ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں ہر ہر نبی نے اپنی اُمّت کو دجّال سے ڈرایا ہے لیکن میرے سامنے خدا نے اُس کی وہ علامت بیان فرمائی ہے جو کسی اور سے نہیں فرمائی۔ سنو وہ بھینگا ہے اور رب ایسا ہو نہیں سکتا اس کی داہنی آنکھ بھینگی کانی ہے دیدہ اوپر کو اٹھا ہوا ایسا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنکار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک چمکیلے ستارے جیسی ہے وہ تمام زبانیں بولے گا اس کے ساتھ جنّت کی صورت ہوگی سرسبز اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہوگی سیاہ دھوئیں والا ایک حدیث میں ہے میں ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا۔ آپ پھر فرمایا ہے موسیٰ سے خود خدا نے صاف طور پر کلام کیا یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے۔ ایک شخص ابوبکر بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے وَكَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ یعنی موسیٰ نے اللہ سے بات کی۔ اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا یہ کسی کافر نے پڑھا ہوگا۔ میں نے اعمش سے اعمش نے یحییٰ سے یحییٰ نے عبدالرحمٰن سے عبدالرحمٰن نے علی سے علی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے کہ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝ غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ اس قدر ناراض ہوئے عجب نہیں یہ کوئی معتزلی ہو اس لئے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ خدا نے موسیٰ سے کلام کیا نہ کسی اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انھوں نے اُسے ڈانٹ کر فرمایا پھر اس آیت میں یہ بے ایمانی کیسے کرو گے؟ جہاں فرمایا ہے وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ۔ یعنی موسیٰ ہمارے وعدہ پر آئے اور اُن سے اُن کے رب نے کلام کیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہیں چلے گی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو وہ سیاہ چیونٹی کا اندھیری رات میں کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابی ہریرہ رضؓ ثابت ہو جائے تو پھر ٹھیک ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ سے جب خدا نے کلام کیا وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے کیں جو سب وصیتیں تھیں پھر تو لوگوں کا کلام حضرت موسیٰؑ سے سُنا نہیں جاتا تھا کیونکہ کانوں میں اُسی پاک کلام کی گونج تھی اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں۔ پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

ایک اثر ابن مردویہ وغیرہ میں ہے حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں طور والے دن حضرت موسیٰؑ سے جو کلام اللہ تعالیٰ نے کیا اُس کی صفت جس دن پکارا تھا اس کلام کی صفت سے الگ تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا بھید معلوم کرنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کے برابر کی قوت سے کلام کیا ہے حالانکہ مجھے تمام زبانوں کی قوت ہے بلکہ اُن سب سے بھی بہت زیادہ۔ بنو اسرائیل آپ سے صفتِ کلامِ ربانی جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُنھوں نے کہا اچھا کوئی تشبیہ تو بیان کرو۔ آپ نے فرمایا

تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہوگی وہ اُس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی۔ اس کے ایک راوی فضل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔
حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰؑ سے کلام کیا تو وہ تمام زبانوں سے ہوا اپنے کلام کے درمیان۔ حضرت کلیم اللہ نے
پوچھا باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں۔ اور نہ تو میرے کلام کو برداشت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دریافت کیا کہ اے رب
تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام سے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے۔ یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ
حضرت کعبؓ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح کی صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ رسول ہیں جو اللہ کی
اطاعت کرنے والوں اور اُس کی رضامندی کے متلاشیوں کو خوشخبریاں جنتوں کی دیتے ہیں اور اُس کے فرمان کا خلاف کرنے والوں اور
اُس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب و سزا سے ڈراتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابیں جو نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول جو بھیجے
ہیں اور ان سے اپنی مرضی نامرضی جو معلوم کرائی ہے یہ اس لئے کہ کسی کو کوئی حجت کسی کا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّا
اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ الخ یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے
رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم اُن کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔ اسی جیسی یہ آیت بھی ہے
وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ الخ صحیحین کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ سے زیادہ باغیرت کوئی نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے
تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ۔ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت خدا کے مدح زیادہ پسند ہو۔ یہی وجہ
ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے اور کوئی ایسا نہیں جسے خدا سے زیادہ عذر پسند ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں
سُنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اُس نے رسول بھیجے اور کتابیں اُتاریں۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى ۱۰

لیکن اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی اپنے علمی کمال کے ساتھ شہادت دے رہے ہیں اور فرشتے تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی

بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ (۴) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا

شہادت کافی ہے جو لوگ منکر ہیں اور خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں بڑی دور کی گمراہی میں

بَعِيْدًا ۝ (۵) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

جا پڑے ہیں بلاشبہ جو لوگ منکر ہیں اور دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ اُن کو سوا جہنم کی

طَرِيْقًا ۝ (۶) اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (۷)

راہ کے کوئی راہ دکھلاویں گے اس طرح پر کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ

اے تمام لوگو تمہارے پاس یہ رسول سچی بات لے کر تمہارے پروردگار کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو تم یقین رکھو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (۸)

اور اگر تم منکر رہے تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہے یہ سب جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ پوری اطلاع رکھتے ہیں کمال حکمت والے ہیں

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے

چونکہ پچھلی آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ کی نبوت کے منکروں کا
رد تھا اس لئے یہاں فرماتا ہے کہ گو کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں تیرا خلاف کریں لیکن خدا خود تیری رسالت
کا شاہد ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید کو تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا اس میں

اس میں ان چیزوں کا علم ہے جن پر اُس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلائل ہدایت اور فرقان اور خدا کو راضی کرنے والے اعمال۔ اور ناراضگی پیدا کرنے والی بداعمالیاں اور گذشتہ کی اور آئندہ کی خبریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں جنھیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے جیسے ارشاد ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اور فرمان ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا۔ حضرت عطا بن سائبؒ جب حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی سے قرآن شریف پڑھ چکے تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ کا علم حاصل کیا ہے پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے۔ پھر آپ نے آیت أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ خدا کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ جو تیرے پاس آیا ہے جو وحی تجھ پر اُتری ہے وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے خوب معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو۔ اُن لوگوں نے اس کا انکار کر دیا پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اُتاری۔ پھر فرماتا ہے جن لوگوں نے کفر کیا حق کی اتباع نہ کی بلکہ اور لوگوں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہے یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور صداقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت سے دُور جا پڑے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں ہماری کتاب کو نہیں مانتے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں ہماری راہ سے روکتے اور رُکتے ہیں ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں ہمارے احکام سے رُوگرداں ہیں۔ انھیں ہم نہ بخشیں گے نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انھیں جہنم کا راستہ دکھا دیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق کو لے کر خدا کے رسول آ گئے۔ تم اُس پر ایمان لاؤ اور اُس کی فرمانبرداری کرو۔ یہی تمھارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو خدا تم سے بے نیاز ہے۔ تمھارا ایمان نہ اُسے نفع پہنچائے نہ تمھارا کفر اُسے ضرر پہنچائے زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔ یہی قول حضرت موسیٰ کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے وہ علیم ہے۔ جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے۔ وہ حکیم ہے اُس کے اقوال اُس کے افعال اُس کی شرع اُس کی تقدیر سب حکمت سے پُر ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ

اے اہل کتاب تم اپنے دین میں حد سے نہ نکلو اور خدا تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو مسیح عیسیٰ بن

عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا

مریم تو اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اللہ کی طرف سے ایک جان ہیں سو اللہ پر

بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ

اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ اور یوں مت کہو کہ تین ہیں باز آ جاؤ تمھارے لئے بہتر ہوگا معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے

۲۳ ع سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا (۹)

وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں

عیسیٰ علیہ السلام رسول اللہ ہیں

اہلِ کتاب کو حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حد سے گذر گئے تھے اور ان کو نبوۃ سے بڑھا کر خدائی تک پہنچا رہے تھے بجائے اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے بلکہ اور بزرگانِ دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا وہ انھیں بھی خدائی دین کے عالم اور عامل تھے معصوم محض جاننے لگے تھے اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ ائمۂ دین کہدیں اُس کا ماننا ہمارے لئے ضروری ہے۔ سچ جھوٹ حق و باطل ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ

وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس تم مجھے عبداللہ اور رسول کہنا۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمدؐ اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے! اے ہم سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! تو آپ نے فرمایا لوگو! اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو تمہیں شیطان ادھر اُدھر نہ کر دے میں محمد بن عبداللہ ہوں میں خدا کا غلام اور اُس کا رسول ہوں۔ قسم خدا کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو۔ پھر فرماتا ہے اللہ پر افترا نہ باندھو اس کیلئے بیوی اور اولاد نہ تجویز کرو خدا اس سے پاک ہے اُس سے بلند و بالا ہے، اُس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں، اس کے سوا نہ تو کوئی معبود نہ رب۔ مسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ ہیں وہ خدا کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ صرف کلمۂ کُن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرئیل ؑ حضرت مریم صدیقہ کے پاس گئے اور خدا کی اجازت سے اُسے ان میں پھونک دیا پس حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے آپ پیدا ہوئے اس لئے خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی اور آیت میں ہے مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ یعنی مسیح بن مریم صرف رسول اللہ ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں ان کی والدہ سچی ہیں یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور آیت میں ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ الخ عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک آدم کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا الخ جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اُسے اور اُس کے بچے کو لوگوں کے لئے نشان بنایا۔ اور جگہ فرمایا مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰ ؑ کی بابت اور آیت میں ہے اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْہِ الخ وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا تھا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمہ خدا عیسیٰ بن گیا بلکہ یہ کہ کلمۂ خدا سے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ امام ابن جریرؒ نے اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ کی تفسیر میں جو کہا ہے اُس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرئیل ؑ کی معرفت پھونکا گیا اُس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے جس نے اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمدؐ کے عبد و رسول ہونے کی اور عیسیٰ ؑ کے عبد و رسول ہونے کی۔ اور یہ کہ آپ خدا کا کلمہ تھے جس سے پیدا ہوئے تھے جو مریم ؑ کی طرف ڈالا گیا تھا اور خدا کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو اللہ پر حق ہے کہ اُسے جنت میں لے جائے۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے جیسے کہ جناب عیسیٰ کو آیت و حدیث میں رُوْحٌ مِّنْہُ کہا ہے ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ اُس نے مسخر کیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے تمام کا تمام اپنی طرف سے یعنی اپنی مخلوق سے اور اپنے پاس سے۔ یہی مطلب رُوْحٌ مِّنْہُ کا ہے یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس کی روح سے۔ پس لفظ مِنْ تبعیض کے لئے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ خدا کا ایک جزو تھے بلکہ مِنْ ابتدا کے لئے ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں رُوْحٌ مِّنْہُ سے مراد رَسُوْلٌ مِّنْہُ ہے اور لوگ کہتے ہیں مَحَبَّۃً مِّنْہُ لیکن زیادہ واضح پہلا قول ہے۔ یعنی آپ پیدا کئے گئے ہیں روح سے جو خود خدا کی مخلوق ہے پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ناقۃ اللہ اور بیت اللہ کہا گیا ہے یعنی صرف شرافت کے اظہار کے لئے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ میں اپنے رب کے پاس اُس کے گھر میں جاؤں گا۔ پھر فرماتا ہے تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ ایک ہے، بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین کر لو کہ جناب عیسیٰ خدا کے غلام خدا کی مخلوق اور اُس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی عیسیٰ اور مریم کو شریک خدا نہ بناؤ خدا شرکت سے مبرا ہے سورۂ مائدہ میں فرمایا لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ الخ یعنی جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے۔

ف عیسائیوں کی بعض جماعتیں قائل تھیں کہ خدا تین ہیں۔ عیسیٰ، مریم اور خدا تعالیٰ انھیں کو اقانیم ثلثہ بھی کہا جاتا ہے یہ عقیدہ بھی کفر ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اسی عقیدہ کی تردید کی گئی ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری۔

اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے اُس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ سے سوال ہوگا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا؟ آپ صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے وہ بُری طرح بھٹک رہے ہیں اور خود کو برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰؑ کو خود خدا مانتے ہیں اور بعض شریک خدا مانتے ہیں اور بعض خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری جو سنکہ ہجری کے قریب گزرا ہے۔ اُس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اُس زمانہ کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا جہاں دو ہزار سے زیادہ ان کے لاٹ پادری تھے پھر اس قدر اختلاف آپس میں ہوا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں سے زیادہ اتفاق ہی نہیں کرتے۔ دس کا ایک عقیدہ ہے۔ بیس کا ایک خیال ہے۔ چالیس اور ہی بات کہتے ہیں ساٹھ اور طرف جا رہے ہیں۔ غرض ہزارہا کی تعداد میں سے بمشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک قول پر جمع ہو گئے۔ بادشاہ نے اُسی عقیدہ کو لے لیا باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید و نصرت کی اور ان کے لئے کنیسے اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں اور قوانین ضبط کر دیئے۔ یہیں انھوں نے امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا جو دراصل بدترین خیانت ہے ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا اس وقت جو فرقہ بنا اُس کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اُس کا نام نسطوریہ ہے یہ تینوں فرقے اقانیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰؑ کے لئے ثابت کرتے ہیں ان میں بھی باہم گر اختلاف ہے اور ہر ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اس سے باز آؤ یہ باز رہنا ہی تمہارے لئے اچھا ہے اللہ تو ایک ہی ہے وہ توحید والا ہے اُس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اُس کے ہاں اولاد ہو۔ تمام چیزیں اُس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں۔ سب اُس کی غلامی میں ہیں اور سب اُس کے قبضے میں ہیں وہ ہر چیز کا نگراں ہے۔ پھر مخلوق میں سے کوئی اُس کی بیوی اور کوئی اُس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَنّٰی یَکُوۡنُ لَہٗ وَلَدٌ یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدائی آفرینش کرنے والا ہے اُس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ سورۂ مریم میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ سے ہَدًّا ۝ تک میں بھی اس کا مفصلاً انکار فرمایا ہے۔

لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰہِ وَلَا الۡمَلٰٓئِکَۃُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ؕ وَمَنۡ

مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص

یَّسۡتَنۡکِفۡ عَنۡ عِبَادَتِہٖ وَیَسۡتَکۡبِرۡ فَسَیَحۡشُرُہُمۡ اِلَیۡہِ جَمِیۡعًا ① فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡہِمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَیَزِیۡدُہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ

اور انھوں نے اچھے کام کئے ہوں گے تو ان کو تو ان کو پورا ثواب دیں گے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں گے اور جن لوگوں نے

اسۡتَنۡکَفُوۡا وَاسۡتَکۡبَرُوۡا فَیُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ② وَّلَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ

عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا ③

غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پا دیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز عبدیت میں ہے

حاصل مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور مقرب فرشتے بھی خدا کی بندگی سے تکبر اور انکار نہیں کر سکتے۔ نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے بلکہ جو جس قدر مرتبے میں

قریب ہوتا ہے وہ اُسی قدر خدا کی عبادت میں زیادہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں اس لئے کہ یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کے معنی رُکنے کے ہیں اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح کے زیادہ ہے اس لئے یہ فرمایا گیا ہے اور رُک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت لازم نہیں آتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو خدا کی عبادت سے نہ رُکنے والے بتا کر پھر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی جس سے ثابت ہو گیا کہ جنھیں تم پوجتے ہو وہ خود خدا کو پوجتے ہیں پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے اور آیت میں ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ اور اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ جو اُس کی عبادت سے انکار کرے اور اتراے اور خود کو اس طرح بڑا کرے وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور اپنے بارے میں اُس کا فیصلہ سُننے والا ہے۔ جو ایمان لائیں جو نیک عمل کریں اُن کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا۔ پھر رحمتِ ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنّت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابلِ دوزخ ہوں اُنھیں بھی اُن کی شفاعت ہو گی جن سے انھوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی۔ لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں۔ ہاں اگر ابن مسعود رضؓ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا جو لوگ اللہ کی عبادت و اطاعت سے رُک جائیں اور اس سے تکبر کریں انھیں پروردگار دردناک عذاب دے گا اور یہ خدا کے سوا کسی کو ولی و مددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے یعنی اُن کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انھیں ملے گا کہ ذلیل و حقیر خوار و ناچار ہو کر جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (۴)

اے لوگو یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمھارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ

سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انھوں نے اللہ کو مضبوط پکڑا سو ایسیوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں

مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (۵)

داخل کریں گے اور اپنے فضل میں اور اپنے تک ان کو سیدھا رستہ بتلا دیں گے

دلائل اور براہین حقانیت پر قائم کئے جا چکے

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی چیز اور شک شبہ کو الگ کرنے والی برہان تمھاری طرف نازل ہو چکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف کُھلا نور صاف روشنی پورا اُجالا اُتار دیا ہے جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں اسی کی اطاعت کو خود پر لازم جانیں۔ مقامِ عبودیت اور مقامِ توکل کو اختیار کریں۔ تمام امور اُسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان خدا پر لائیں اور مضبوطی کے ساتھ خدا کی کتاب کو تھام لیں اُن پر خدا اپنا رحم کرے گا اور اپنا فضل اُن پر نازل فرمائے گا۔ نعمتوں اور سرور والی جنّت میں انھیں لے جائے گا اُن کے ثواب بڑھا دے گا ان کے درجے بلند کرے گا اور انھیں اپنی طرف کی سیدھی اور صاف راہ دکھائے گا جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں کہیں سے تنگ نہیں۔ پس مومن دنیا میں صراطِ مستقیم پر ہوتا ہے اور راہِ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہِ جنّت پر اور راہِ سلامتی پر ہوتا ہے۔ شروع تفسیر میں ایک

ف مطلب یہ ہے کہ ایسے صاف اور واضح احکام آچکے جن کے بعد عمل نہ کرنے کے سلسلے میں کوئی عذر سُنا نہ جائے گا ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

پوری حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ خدا کی سیدھی راہ اور خدا کی مضبوط رسّی قرآن ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص مر جائے جس کے اولاد نہ ہو (اور نہ

وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن

اور اس کی ایک (عینی یا علاتی) بہن ہو تو اس کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ شخص اس اپنی بہن کا وارث ہوگا اگر (وہ بہن مر جائے اور) اسکے اولاد نہ ہو اور والدین

كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ

بہنیں دو ہوں (یا زیادہ) تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے اور اگر چند وارث بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو ایک مرد کو

مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

دو عورتوں کے حصہ کے برابر اللہ تعالیٰ تم سے (دین کی باتیں) اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم گمراہی میں نہ پڑو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں

بعض مسائل میراث

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برأت اتری ہے اور آیتوں میں سب سے آخری آیت یَسْتَفْتُونَکَ اتری ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں اپنی بیماری میں بے ہوش پڑا تھا جو خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے آپ نے وضو کیا اور وہ پانی مجھ پر ڈالا جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا حضور وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی (بخاری ومسلم)۔ اور روایت میں اسی آیت کا اترنا بھی آیا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ لفظ کلالہ ماخوذ ہے اکلیل سے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوتا ہے اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں۔ اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں جیسے کہ آیت میں ہے لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو نئے مسائل دشوار اور ناقابلِ حل معلوم ہوتے تھے ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا چنانچہ صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے۔ دادا کلالہ اور سود کے ابواب۔ اور روایت میں ہے آپ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے یہاں تک کہ آپ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچھ لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے۔ اور حدیث میں ہے اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مزید اطمینان کر لیتا تو وہ میرے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اس میں کفایت بتلائی تھی اب فاروق اعظم رضؓ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے جس پر اظہارِ افسوس کر رہے ہیں ابن جریر میں ہے کہ جناب فاروق اعظم رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا کیا اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا پھر یہ آیت اتری۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خطبہ میں فرماتے ہیں جو آیت سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے وہ ولد و والد کے لئے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لئے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لئے۔ اور جس آیت سے سورۂ نساء کو ختم کیا ہے وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں چلتا ہے (ابن جریر) اس آیت کے معنے هَلَكَ کے معنی ہیں مر گیا جیسے فرمان ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ خدا کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ جیسے اور آیت میں فرمایا كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ یعنی ہر ایک جو اس پر ہے

فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔ پھر فرمایا اُس کا ولد نہ ہو اس سے بعض لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ ہو وہ کلالہ ہے۔ بروایت ابن جریر حضرت عمر بن خطاب سے بھی یہی منقول ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو نہ والد اور اسی کی دلالت آیت کے اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو فرمایا وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ یعنی اس کی بہن ہو تو اُس کے لئے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اُسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اُسے کچھ بھی اجماعاً ملتا نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ نص سے ثابت ہے اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد۔ اس لئے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مرگئی اُس کا خاوند ہے۔ اور اس کی ایک حقیقی بہن ہے تو آپ نے فرمایا آدھا بہن کو دیدو اور آدھا خاوند کو۔ جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ فرمایا تھا (احمد) حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ابن جریر میں منقول ہے کہ ان دونوں کا فتویٰ اُس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی اُسے کچھ بھی نہ ملے گا اس لئے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا فرض ہونے کی بناء پر اور آدھا بہن کو ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے۔ ابراہیم بن اسود کہتے ہیں ہمارا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو پھر فرمایا ذرا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی ہو آؤ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے لیکن جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا اور حضرت ابو موسیٰ رضہ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے۔ؔ سنو! میں اس میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو اس طرح دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابو موسیٰ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہے مجھ سے یہ مسائل نہ پوچھا کرو۔ پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے یعنی اس کی اولاد اور باپ نہ ہو اس لئے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا وارث ہو جیسے خاوند یا ماں شریک بھائی۔ تو اُسے اُس کا حصہ دیدیا جاوے گا۔ اور باقی کا وارث بھائی ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں فرائض اُن کے اہل تک پہنچا دو پھر جو باقی بچے وہ اُس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ پھر فرماتا ہے اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے یہی حکم دو سے زیادہ کا بھی ہے۔ یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ پھر فرماتا ہے اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے یہی حکم عصبات کا ہے خواہ وہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں جب کہ اُن میں مرد و عورت دونوں موجود ہوں۔ تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اُتنا ایک مرد کو اللہ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے اپنی شریعت واضح کر رہا ہے تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت کا جاننے والا ہے۔ بندوں کی بھلائی برائی جاننے والا مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کہیں سفر میں تھے حذیفہ رضہ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے

ؔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اگر میں سنت کے خلاف کوئی فتویٰ دوں تو یہ کھلی گمراہی ہے۔ اور ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سنت کے مطابق نہیں ہے۔ تو اگر میں ابو موسیٰ رضہ کے فتوے کی تائید کروں تو یہ ہدایت نہ ہوگی بلکہ اس کا نام گمراہی ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری ◆

کے پاس تھا اور حضرت عمر رضؓ کی سواری کا سر حذیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اُتری۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضؓ کو سُنائی اور حضرت حذیفہ رضؓ نے حضرت فاروقِ اعظم کو۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر رضؓ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو اس لئے کہ جیسے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سُنادی۔ واللہ میں تو اس پر کچھ زیادتی نہیں کر سکتا۔ پس حضرت فاروق رضؓ فرمایا کرتے تھے خدایا گو تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں لیکن یہ روایت منقطع ہے اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے دوبارہ یہ سوال اپنی خلافت کے زمانہ میں کیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری لیکن چونکہ حضرت کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی اس لئے اپنی صاحبزادی زوجۂ رسول حضرت حفصہ رضؓ سے فرمایا کہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضؓ نے ایک روز ایسا ہی موقعہ پاکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمر رضؓ نے جب یہ سُنا تو فرمانے لگے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا ہے تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ کے حکم پر جب حضرت حفصہ رضؓ نے سوال کیا تو اپنے ایک شانے پر یہ آیت لکھوادی۔ پھر فرمایا کیا عمر نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے کیا انھیں گرمی کی وہ آیت جو سورۂ نساء میں ہے کافی نہیں؟ وہ آیت وَاِنْ کَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ کَلٰلَۃً الخ. ہے پھر جب دوسرے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو وہ آیت اُتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور شانہ ڈال دیا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ نے صحابہ کو جمع کر کے شانے کے ایک ٹکڑے کو لیکر فرمایا میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے اُسی وقت گھر میں ایک سانپ نکل آیا اور سب لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے پس آپ نے فرمایا اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ مستدرک حاکم میں ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کاش میں تین مسئلے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تو مجھے سُرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے قائل ہوں لیکن کہیں کہ ہم تیری طرف ادا نہیں کریں گے اُن سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ ایک حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سُودی مسائل کا بیان ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ حضرت عمر رضؓ کے آخری وقت میں نے آپ سے سُنا فرماتے تھے قول وہی ہے جو میں نے کہا۔ تو میں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ اور روایت میں ہے حضرت فاروق رضؓ فرماتے ہیں میرے اور حضرت صدیق کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے حقیقی بھائیوں اور ماں شریک بھائیوں کو جبکہ وہ جمع ہوں ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابوبکر رضؓ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المؤمنین جناب فاروق رضؓ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثے اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھیرے رہے اور خدا سے دعا کی کہ پروردگار اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو تو اسے جاری کر دے۔ پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اُس رقعہ کو منگوا کر پھاڑ دیا اور کسی کو علم نہ ہو اکہ اس میں کیا تحریر تھا پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا حکم لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا پھر میرا خیال ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریر میں ہے۔ میں اس بارے میں ابوبکر کا خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں۔ اور ابوبکر رضؓ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ بچہ ہو اور نہ باپ ہو اور اسی پر جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمۂ دین ہیں اور یہی چاروں اماموں اور ساتوں فقیہوں کا مذہب ہے اور اسی پر دلالت ہے قرآن کریم کی جیسے کہ باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ نے اسے واضح کر کے فرمایا اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر بیان فرمارہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

(الحمد للہ سورۂ نساء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے)

ف آدمی خوش ہوتا ہے تو سوالات سے الجھن نہیں ہوتی اور اگر رنج و غم ہو تو اسے سوالات نہ بلکہ لوگوں کے ملنے ملانے سے بھی کوفت ہوتی ہے گویا کہ عمر فاروق چاہتے تھے کہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے اور آپ کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچے ۱۲ انظر شاہ کشمیری

تفسیر سورۂ مائدہ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئے تھی کہ آپ پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی بوجھ اتنا تھا کہ اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں[1] (مسند احمد)۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت آپ سفر میں تھے وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی (ابن مردویہ)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے اتر گئے (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ سورۂ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللہِ الخ ہے مستدرک حاکم میں ہے۔ حضرت جبیر بن نفیر فرماتے ہیں۔ میں حج کے لئے گیا وہاں حضرت عائشہ رضی کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا۔ سنو! سب سے آخر یہی سورت نازل ہوئی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کے عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

کلماتہا ۲۸۴۲   حروفہا ۱۳۴۶۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اے ایمان والو عہد کو پورا کرو تمہارے لئے تمام چوپائے جو مشابہ انعام (یعنی اونٹ، بکری، گائے) کے ہوں حلال کئے گئے ہیں مگر جن کا ذکر آگے آتا ہے

غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا

لیکن شکار کو حلال مت سمجھنا جس حالت میں کہ تم احرام میں ہو بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم کریں   اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو

شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ

خدا تعالیٰ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینہ کی اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی۔ اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان کی

الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَ

جو کہ بیت الحرام کے قصد سے جا رہے ہوں اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں   اور جس وقت تم احرام سے باہر آجاؤ تو شکار کیا کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ

اور ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی قوم سے جو اسی سبب سے بغض ہے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روک دیا تھا وہ تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم حد سے نکل جاؤ اور

[1] یہ وحی کی عظمت کی وجہ سے تھا۔ اگرچہ وحی کوئی ایسی چیز نہیں جس کو وزن کیا جا سکے لیکن بہت سی چیزیں اپنی عظمت کی بنا پر نہایت ثقیل ہوتی ہیں مثلاً علم، ایمان، اعمال اور قرآن مجید وغیرہ ۱۲، انور شاہ کشمیری +

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو

اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں

حرام اور حلال اشیاء

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا آپ مجھے کوئی خاص نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تو قرآن میں لفظ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سنے تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہوگی۔ حضرت زہریؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے اُس حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں۔ حضرت خیثمہؒ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں بجائے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے یٰٓاَیُّھَا الْمَسَاکِیْنُ ہے۔ ایک روایت میں جو ابن عباسؓ کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے ان تمام مواقع پر اُن سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علی رضؓ ہیں۔ اصحابِ رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے بجز حضرت علی بن ابی طالبؓ کے کہ انھیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا۔ یاد رہے کہ یہ اثر بالکل واہی ہے اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ہے اُس کی روایت منکر ہے میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بذیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ شیعہ ہے پھر بھلا اُس کی ایسی روایت جو اُس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو کیسے قبول کی جا سکے گی؟ یقیناً وہ اس میں ناقابلِ قبول ٹھہرے گا۔ اس روایت میں یہ جو ہے کہ تمام صحابہ رضؓ کو بجز حضرت علی رضؓ کے ڈانٹا گیا اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علی رضؓ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا الخ لیکن یہ غلط ہے کہ اس آیت میں صحابہؓ کو ڈانٹا گیا بلکہ دراصل یہ حکم بطور وجوب کے تھا ہی نہیں اختیاری امر تھا پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا پس حقیقتاً کسی سے اس کا خلاف سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علی رضؓ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورۂ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں اُن تمام صحابہؓ کو ڈانٹا گیا ہے جنھوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لیکر انھیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا۔ دراصل سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے باقی تمام صحابہ رضؓ کا مشورہ یہی تھا پس یہ ڈانٹ بجز حضرت عمر رضؓ کے باقی سب کو ہے جن میں حضرت علی رضؓ بھی شامل ہیں۔ پس یہ تمام باتیں اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ یہ اثر بالکل ضعیف اور غلط ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے حضرت محمد بن سلمہؒ فرماتے ہیں جو کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے حضرت عمرو بن حزم رضؓ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انھیں نجران بھیجا تھا اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اُسے پڑھا تھا اُس میں خدا اور رسول کے بہت سے احکام تھے۔ اُس میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ تک لکھا ہوا تھا ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضؓ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمدؒ نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتاب ہے جسے آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو لکھ کر دی تھی جبکہ انھیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے کے لئے اور اُن سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی اس میں عہد و پیمان اور احکام کا بیان ہے اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بعد لکھا ہے۔ یہ کتاب اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے ہے اے ایمان والو! وعدہ کو اور عہد و پیمان کو پورا کرو۔ یہ عہد ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کی طرف سے عمرو بن حزم کے لئے جبکہ انھیں یمن بھیجا انھیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے جو اُس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان خلوص اور نیکی کریں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں عقود سے مراد عہد ہیں۔ ابن جریر اس پر اجماع بتلاتے ہیں خواہ قسمیہ عہد و پیمان ہو یا وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ عہد کو پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا، اُس کے حرام کو حرام جاننا، اُس کے فرائض کی پابندی کرنا، اس کی حدود کی نگہداشت کرنا بھی ہے کسی بات کا خلاف نہ کرو، کسی حد کو نہ توڑو، کسی حرام کام کو نہ کرو

اس پر سختی بہت ہے پڑھو آیت وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ کو سُوْٓءُ الدَّارِ تک۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ خدا کے حلال کو، اُس کے حرام کو، اُس کے وعدوں کو جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آجاتے ہیں پورا کرنا خدا کی طرف سے فرض ہے فرائض کی پابندی حلال حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت زید بن اسلم رحمہ فرماتے ہیں یہ چھ عہد ہیں۔ اللہ کا عہد، آپس کی یگانگت کا، قسمیہ عہد، شرکت کا عہد، تجارت کا عہد، نکاح کا عہد اور قسمیہ وعدہ۔ محمد بن کعبؒ کہتے ہیں پانچ ہیں جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیمان ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں۔ وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا یہی مذہب ہے لیکن امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علمائے کرام بھی اس کے مخالف ہیں اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خرید و فروخت کرنے والے کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ جب دو شخصوں نے خرید و فروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید و فروخت پورے ہونے کے بعد کا ہے ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے مویشی چوپائے تمہارے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ یعنی اونٹ، گائے، بکری۔ ابو الحسن قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں عرب میں ان کے لغت کے مطابق بھی یہی ہے حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اُس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اونٹنی، گائے، بکری ذبح کی جاتی ہے ان کے پیٹ میں سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اُسے کھا لیں یا پھینک دیں؟ آپ نے فرمایا اگر چاہو کھا لو اُس کا ذبیحہ اُس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ ابو داؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پیٹ کے اندر والے بچہ کا ذبیحہ اُس کی ماں کا ذبیحہ ہے۔

پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مطلب مردار، خون اور خنزیر کا گوشت ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ فرماتے ہیں مراد اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرمان حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ الخ یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو خدا کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے اور جو گلا..... گھونٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر لگنے سے مر جائے اور جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گو مویشی چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں اسی لئے اس کے بعد فرمایا لیکن جسے تم ذبح کر ڈالو اور پھر جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اُس میں سے کوئی چیز حلال نہیں اسی لئے اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں گو وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں اس کے بعد کا جملہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ مراد انعام سے عام ہے بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے سہتے ہیں جیسے اونٹ، گائے، بکری۔ اور بعض وہ جو جنگلی ہیں جیسے ہرن، نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پس پالتو جانوروں میں سے تو اُن کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے ہم نے تمہارے لئے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں۔ پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو کیونکہ خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے اور اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پُر ہیں اسی طرح اُس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے اللہ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ ایماندارو! رب کے نشانوں کی توہین نہ کرو یعنی مناسک حج صفا مروہ قربانی کے جانور اونٹ اور خدا کی حرام کردہ ہر چیز حرمت والے مہینوں کی توہین نہ کرو اُن کا ادب کرو، ان کا لحاظ رکھو، ان کی تعظیم کو مانو اور اُن میں خصوصیت کے ساتھ خدا کی نافرمانیوں سے بچو اور ان مبارک اور

محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو جیسے ارشاد ہے۔

وہ مہینے جن میں جنگ حرام ہے

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ الخ اے نبی لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی خدا کے نزدیک بارہ کی ہے الخ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا زمانہ گھوم کر ٹھیک اسی طرز پر آگیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں تین تو پے درپے ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جسے قبیلہ مضر رجب کہتا ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رض وغیرہ سے یہ بھی نقل ہے کہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا جائز نہ کر لیا کرو لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا جائز ہے اُن کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گذر جانا ہے جب وہ چار مہینے گذر چکیں جو اس وقت تھے تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا بلکہ امام ابو جعفر تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تاہم اس کے لئے امن و امان نہ سمجھی جاوے گی۔ اگر مسلمانوں نے از خود اس سے پہلے اُسے امن نہ دیا ہو۔ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ ھَدْی اور قَلَآئِد کی بے حرمتی بھی مت کرو یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنے سے باز نہ رہو کیونکہ اس میں خدا کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لئے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو اُن کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ رکو۔ تاکہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور نذر اللہ اور راہ للہ ہو چکا ہے اب اسے کوئی بُرائی سے ہاتھ نہ لگا سکے گا۔ بلکہ اُسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس طرح خدا کے نام جانور بھیجیں اور اس صورت میں تمہیں اُس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا کیونکہ جو شخص ہدایت کی طرف دوسروں کو بلائے اُسے بھی وہ اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر اُس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے ہاں اللہ تعالیٰ اُن کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج کے لئے نکلے تو آپ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گذاری صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لئے آپ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اپنے ساتھ لئے تھے جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص خدا کے احکام کی تعظیم کرے اُس کا دل تقویٰ والا ہے بعض سلف کا فرمان ہے کہ تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انھیں خوب کھلایا پلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے۔ حضرت علی بن ابی طالب رض فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال کر خریدیں (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حبان رح فرماتے ہیں جاہلیت کے زمانہ میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اُون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے اس سے عام لوگ انھیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رض سے بروایت حضرت مجاہد رح مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں۔ آیت قلائد۔ اور یہ آیت فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ لیکن حضرت حسن رح سے جب دریافت کیا گیا کہ اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عطاء رح فرماتے ہیں کہ وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے اُنھیں امن ملتا تھا پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرما دیا۔ پھر فرماتا ہے۔ جو لوگ

بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں اُن سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے وہ امن میں پہنچ گیا پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اُس کی نیت خدا کے فضل کی تلاش اور اس کی رضا مندی کی جستجو ہے تو اب اُسے ڈر خوف میں نہ رکھو اُس کی عزت اور ادب کرو اور اُسے بیت اللہ سے نہ روکو بعض کا قول ہے کہ خدا کا فضل تلاش کرنے سے مراد بیوپار تجارت ہے جیسے اس آیت میں ہے لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ یعنی زمانۂ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں رضوان سے مراد حج کرنے میں خدا کی مرضی تلاش کرنا ہے ابن جریرؒ وغیرہ فرماتے ہیں یہ آیت حطیم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آرہا تھا تو بعض صحابہ کا ارادہ ہوا کہ اُسے راستے میں روکیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام ابن جریرؒ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو مشرک مسلمانوں کی امن لئے ہوئے نہ ہو تو گو وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے اُسے قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے واللہ اعلم۔ ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لئے جا رہا ہو اور شرک و کفر کے ارادے سے قصد کرتا ہو وہ تو روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے مومن و مشرک سب حج کیا کرتے تھے اور خدائے تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مومن کافر کو نہ روکو لیکن اس کے بعد یہ آیت اُتری کہ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں۔ اور فرمان ہے مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ یعنی مشرکین خدا کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں۔ اور فرمان ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یعنی خدا کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں آیت وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ۔ منسوخ ہے جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اُسے کوئی نہ ستاتا۔ پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا اُس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے۔ تو مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں۔ پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انھیں پاؤ۔ ابن جریرؒ کا قول ہے کہ قلائد سے مراد یہی ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اُس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے۔ عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آرہی تھی اور جو اس کا خلاف کرتا تھا اُسے بہت بُرا کہا جاتا تھا۔ اور شاعر اُس کی ہجو کرتے تھے۔ پھر فرماتا ہے جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہو گئی۔

ایک اصول

جو حکم ممانعت کے بعد ہو اُس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت کے پہلے اصل میں تھا یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لئے ہو گا اور اسی طرح مستحب و مباح۔ گو بعضوں نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے صرف مباح ہونے کے لئے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علمائے اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

عدل کا حکم

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمھیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم اُن سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر خدا کے حکم کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ظلم و زیادتی پر نہ اُتر آنا۔ بلکہ تمھیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیئے۔ اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے تمھیں کسی قوم کی عداوت خلافِ عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو عدل ہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں خدا کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہیئے کہ تو اس کے بارے میں خدا کی فرمانبرداری ہی کر۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو جب کہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا اسی رنج و غم میں صحابہ واپس آرہے تھے جو مشرق مشرک مکہ جاتے ہوئے انھیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہ نے ہمیں روکا ہم بھی انھیں اُن تک نہ جانے دیں اس پر یہ آیت اُتری شَنَاٰنُ کے معنی بغض کے ہیں بعض عرب اسے شَنَاٰنُ

بھی کہتے ہیں لیکن کسی قاری سے یہ قرأت روایت نہیں ہے۔ ہاں عربی شعروں میں شَنَان بھی آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے۔ بِرّ کہتے ہیں نیکیوں کے کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کے چھوڑنے کو۔ اور انھیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے سے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کام کے کرنے کا خدا کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے یہ اِثم ہے اور دین میں جو حدیں خدا نے مقرر کر دی ہیں جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں اُن سے آگے نکل جانا عُدوان ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ یارسول اللہ مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟ فرمایا اُسے ظلم نہ کرنے دو ظلم سے روک لو یہی اس وقت اس کی مدد ہے۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ اُس مسلمان سے بڑے اجر والا ہے جو نہ لوگوں سے ملے جلے نہ اُن کی ایذاؤں پر صبر کرے۔ مسند بزار میں ہے اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ یعنی جو شخص کسی بھلی بات کی کسی دوسرے کو ہدایت کرے وہ اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے۔ امام ابو بکر بزار رحمہ اللہ اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے لیکن میں کہتا ہوں اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے اُسے اُن تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں اور اُس کی تابعداری کریں لیکن اُن کے ثواب میں گھٹا کر نہیں اور جو شخص کسی برائی کی طرف بلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اُس برائی کو کریں گے اُن سب کو جو گناہ ہو گا وہ سارا اس اکیلے کو ہو گا لیکن اُن کے گناہ گھٹا کر نہیں۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اُس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دینِ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے[۱]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ

تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام ذکر کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مر جاوے

وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ

اور جو کسی ضرب سے مر جاوے اور جو اونچے سے گر کر مر جاوے اور جو کسی ٹکر سے مر جاوے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔ اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جاوے

وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا

اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کے یہ سب گناہ ہیں آج کے دن ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے سو اُن سے

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ

مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔ آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو

لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳)

تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا پس جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جاوے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں رحمت والے ہیں

بعض حرام اشیاء

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے جن کا کھانا اُس نے حرام کیا ہے یہ خبر اُن چیزوں کے نہ کھانے کے حکم کو شامل ہے مَیْتَۃ وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے نہ تو اُسے ذبح کیا جائے نہ شکار کیا جائے اس کا کھانا

[۱] مطلب یہ ہے کہ گوشہ نشینی سے بہتر مسلمانوں کے ساتھ اوقات گزارنا ان کو تبلیغ کرنا اسلام کی اشاعت اور اللہ اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانا بہتر ہے اور اگر اس راہ میں تکالیف بھی پیش آئیں تو ان کو انگیز کرنا مزید اجر کا باعث ہے ۱۲ انظر شاہ [۲] یہ حکم تہدید کے لئے ہے جیسا کہ من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان سے ظالم کی اعانت ممکن ہی نہیں اور جو کرتا ہے وہ اسلام کے مزاج کے خلاف کرتا ہے ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

اس لئے حرام کیا گیا کہ اُس کا وہ خون جو مضر ہے اُسی میں رہ جاتا ہے ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کو مضر ہے ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں کیونکہ مؤطا مالک، مسند شافعی، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے اور اسی طرح ٹڈی بھی گو خود ہی مرگئی ہو حلال ہے اُس کی جواز کی حدیث آرہی ہے دَم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقتِ ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں۔ لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقتِ ذبح بہا ہو حضرت عائشہ رضؓ بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔ امام شافعی رحؒ نے حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لئے دو قسم کے مُردے اور دو خون حلال کئے گئے ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی۔ کلیجی اور تلی۔ یہ حدیث مسند احمد ابنِ ماجہ دار قطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ موجود ہے اور یہ ضعیف ہیں۔ حافظ بیہقی رحؒ فرماتے ہیں عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی اسے اسمٰعیل بن اولیس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے۔ سلیمان بن بلال رحؒ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعضوں نے ابن عمر رضؓ پر موقوف رکھا ہے حافظ ابو زرعہ رازیؒ فرماتے ہیں زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت صدی بن عجلان سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انھیں خدا اور رسول کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام اُن کے سامنے پیش کروں میں وہاں پہنچکر اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آبیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ صدی تم بھی کھالو۔ میں نے کہا تم غضب کر رہے ہو۔ میں تو ان کے پاس سے آرہا ہوں جو اس کا کھانا ہم سب پر حرام کرتے ہیں۔ تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے اور کہا پوری بات کہو۔ تو میں نے یہی آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ الخ پڑھ کر سنادی۔ یہ روایت ابنِ مردویہ میں بھی ہے اُس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انھیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ ایک دن جبکہ مجھے سخت پیاس لگی اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا بُرا حال ہے تھوڑا سا پانی پلا دو لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا بلکہ کہا ہم تو تجھے یوں ہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے۔ میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کمبل منہ پر ڈال کر اُسی سخت گرمی میں میدان میں پڑ رہا تو اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لئے ہوئے اور اُس میں بہترین خوش ذائقہ مزے دار پینے کی چیز لئے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دیدیا میں نے خوب پیٹ بھر کر اُس میں سے پیا وہیں آنکھ کھل گئی تو خدا کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اُس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف ہی نہیں ہوئی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پیاس ہی نہیں لگی، یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے، تمہارا مہمان بن کر آیا ہے اتنی بے رُخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں۔ چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے میں نے کہا اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں، مجھے میرے رب نے کھلا پلا دیا۔ یہ کہہ کر میں نے انھیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھلا دیا۔ اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اعشٰی نے اپنے قصیدے میں کیا خوب ہی کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور خدا کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر، صرف خدا ہی کی عبادت کیا کر لَحْمُ الْخِنْزِيرِ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو۔ لفظ لحم شامل ہے اُس کے تمام اجزا کو جس میں چربی بھی داخل ہے پس ظاہریہ کی طرح تکلّف کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری آیت میں سے فَإِنَّهُ رِجْسٌ لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اُس کے تمام اجزا حرمت میں آجائیں۔ درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزا کو لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سُور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے خیال کیجئے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے پھر کھانے کے بیحد بُرا ہونے میں کیا شک رہا؟

اور اس میں دلالت ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزا کو خواہ وہ چربی ہو خواہ اور۔ صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شراب اور مُردار اور خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی ہے تو پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ مُردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے، کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ حرام ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا وہ (نبی) ہمیں مُردار سے اور خون سے روکتا ہے وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا ہے کہ وہ اسی کا نام لیکر جانور کو ذبح کرے پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے سے وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورۂ انعام میں آئے گا حضرت ابوالطفیلؓ فرماتے ہیں، حضرت آدمؑ کے وقت سے لیکر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہیں کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی (۱) مُردار (۲) خون (۳) سُور کا گوشت (۴) اور خدا کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے گنہ گاروں کے گناہ کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں لیکن بنو اسرائیل نے آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کی مخالفت کی (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔ حضرت علی رضہ جب کوفے کے حاکم تھے اس وقت ابن نائل نامی قبیلہ بنو ریاح کا ایک شخص جو شاعر تھا فرزدق کے دادا غالب سے مقابل ہوا اور یہ طے ہوا کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کونچیں کاٹیں گے چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور اونٹوں کی کونچیں کاٹنی شروع کیں اور فخر و ریاکاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہو گئے کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آنے لگے اتنے میں جناب علی مرتضیٰ رضہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو! یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہیں (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کونچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی پھر ابوداؤد رحہ نے فرمایا ہے کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباس پر موقوف کیا ہے۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرما دیا جو آپس میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں۔ مُنْخَنِقَةُ جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے قصداً گلا گھونٹ کر گلا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو خواہ از خود اس کا گلا گھٹ گیا ہو مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا پھندا گلے میں پڑا اور کھینچا کھینچی کرتا ہوا مر گیا۔ پس یہ حرام ہے۔ مَوْقُوذَةُ وہ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھار والی نہیں اور اسی سے وہ مر گیا تو وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے پھر کھاتے قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتایا۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے اسے نہ کھا۔ پس آپ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے چوڑائی کی جانب سے لگا ہو فرق کیا۔ اول کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام۔ امام شافعی رحہ کے اس میں دونوں قول ہیں۔ ایک تو حرام ہونا اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر۔ دوسرے حلال ہونا کتے کے شکار کی حلت کو مد نظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو (فصل) علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا

ف جانور کے پیچھے پاؤں میں کچھ ایسی رگیں ہوتی ہیں کہ اگر ان کو کاٹ دیا جائے تو جسم کا تمام خون نکل جاتا ہے اور جانور ہلاک ہو جاتا یہاں کاٹنے سے یہی مراد ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیری ٭

کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا زخمی نہیں کیا یا اُسے اس قدر صدمہ پہنچایا کہ وہ مر گیا اور زخمی نہیں ہوا تو کیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں تم انہیں کھا سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عدی رض وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعیؒ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کو صحیح کہا ہے جیسے نوویؒ اور رافعیؒ میں کہتا ہوں کہ گو یوں کہا جاتا ہے لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا ملاحظہ ہو اُم اور مختصر ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے پس دونوں فریق نے اسی کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں اور نہ کسی کی مضبوطی۔ ابن الصباغ نے امام ابو حنیفہ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول اُن سے نقل نہیں کیا اور امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسی حضرت ابو ہریرہ حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال پائے نہیں جاتے یہ صرف اپنا تصرف ہے واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے۔ مزنیؒ نے اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اور اسی کو روایت کیا ہے ابو یوسف اور محمد بن ابی حنیفہؒ نے۔ اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبلؒ سے۔ اور یہی قول ٹھیک معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اس لئے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جا رہی ہے۔ ابن الصباغ نے حضرت رافع بن خدیجؓ کی حدیث سے دلیل پیش کی ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم کل دشمنوں کے مقابل ہونے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں ہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہا دے اور اس کے اوپر اللہ کا ذکر کیا جائے اسے کھا لیا کرو الخ۔ (بخاری و مسلم) یہ حدیث گو ایک خاص موقعہ کے لئے ہے لیکن حکم عام الفاظ کا ہوگا جیسے کہ جمہور علمائے اصول و فروع کا فرمان ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ دبیع جو شہد کی نبیذ ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے۔ پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا۔ اسی طرح اوپر والی حدیث ہے گو سوال ایک خاص صورت سے ذبح کرنے کا ہے۔ لیکن جواب کے الفاظ اُسے اور اُس کے سوا کی عام صورتوں کو شامل ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت۔ اسے ذہن میں رکھ کر اب غور کیجئے کہ کتے کے صدمہ سے جو شکار مر جائے یا اُس کے بوجھ اور تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے ظاہر ہے کہ اُس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا۔ پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں اس لئے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا اُن کا سوال اُس چیز کی نسبت نہ تھا جس سے ذبح کیا جائے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے۔ اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے ورنہ متصل نہیں رہتا جا سکتا پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح ہی کا تھا تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کے جملہ کو دیکھو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام خدا بھی لیا گیا ہو اُسے کھا لو یہ نہیں فرمایا کہ اُس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی۔ اور یہ کہ اُس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے۔ دوسرا مسلک جو مزنیؒ کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اُس نے اپنی دھار اور اَنی سے زخم کیا ہے پھر مرا ہے تو کھا لو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں۔ پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہوگا گو سبب جدا گانہ ہوں جیسے کہ ظہار کے وقت آزادگی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ۔ بلکہ اس

سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے یہ دلیل اُن لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کے اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ اُن لوگوں میں اس قاعدہ سے کے مسلّم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجھ اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ پس اسی پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں اس کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے یہ عام ہے شامل ہے اُسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اُس کے سوا کو بھی۔ لیکن جس صورت میں اس وقت بحث ہے وہ یا تو ٹکر لگا ہوا ہے یا اُس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اُس کے حکم میں۔

بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہوگی۔ اولاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے کیونکہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہوا ہے اُسے نہ کھاؤ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا ہوا معتبر نہ ہو۔ پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہوگا جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتلاتے ہیں دوسرے یہ کہ آیت فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ مقدم ہوتا ہے عموم غیر محفوظ پر ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گذار کر لیجئے کہ اس طرح کا شکار میتہ کے حکم میں ہے اس لئے کہ اس کا خون اور اس کے ردی رطوبات اسی میں ہیں پس جس وجہ سے مردار حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے تو یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ بھی سُنئے کہ حرمت کی آیت حُرِّمَتْ الخ بالکل محکم ہے اس میں کسی طرح سے نسخ کا دخل نہیں ہے بلکہ تخصیص ہوئی ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہئے یعنی فرمان باری تعالیٰ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہئے۔ پس حدیث کو اس کے بیان کے لئے سمجھنا چاہئے اور اسی کی شہادت تیر کا واقعہ ہے جس میں یہ بیان ہے کہ اس میں یہ صورت داخل ہے یعنی جبکہ جانور انی اور دھار دار اور تیزی کی طرف سے تو زخمی ہو تو وہ حلال ہوگا کیونکہ وہ طیبات میں آگیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان آگیا کہ آیت تحریم میں کونسی صورت داخل ہے یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہ جائے گا اس لئے کہ وہ وقیذ ہے اور وقیذ آیت تحریم کا ایک فرد ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ، زور، بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا نطیح یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں۔ ہاں اگر اُسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے۔ اور یقیناً حلال ہے اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی تفصیل کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے، زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کئے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے پنجوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے۔ بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے اس لئے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں میتہ منخنقہ موقوذہ متردیہ نطیحہ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے۔ تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لئے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے بالخصوص اُس شخص کے ہاتھ سے جو قدر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو اس لئے کہ اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے واللہ اعلم۔ دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کئے ہوئے شکار میں سے کچھ کھا لے اس لئے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان

فرمایا۔ اور ارشاد ہوا اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لئے ہی شکار کو روکا ہو۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیتِ تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ حضرت ابن عباس رضؓ سے یہی منقول ہے۔ حضرت حسن شعبی اور نخعی رحؒ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابوحنیفہ اور ان کے دونوں صاحب اور احمد بن حنبل اور مشہور روایت میں شافعی بھی گئے ہیں۔ ابن جریر رح نے اپنی تفسیر میں علی سعد سلمان ابوہریرہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھالیا ہو تاہم اسے کھالینا جائز ہے۔ بلکہ حضرت سعید حضرت سلمان حضرت ابوہریرہ رضؓ وغیرہ تو فرماتے ہیں گو کتا آدھوں آدھ کھا گیا ہو تاہم اس شکار کا کھالینا جائز ہے۔ امام مالک رح اور شافعی رح بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قولِ جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جیسے امام ابو منصور بن صباغ وغیرہ نے کہا ہے ابو داؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور خدا کا نام تونے لیا ہو تو کھالے گو اس نے بھی اس میں سے کھالیا ہو۔ اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھالیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے۔ اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمان رضؓ کے قول سے مروی ہے۔ جمہور نے عدی کی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے۔ اور ابو ثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتلایا ہے بعض علمائے کرام نے اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھالیا اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہا کہ شاید شکاری کتا ابھی سدھا ہوا نہیں ہے ممکن ہے اس نے اپنے لئے ہی شکار کیا ہو۔ بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس نے اپنے لئے ہی شکار کیا ہے واللہ اعلم۔ اب رہے شکاری پرند تو امام شافعی رح نے تو صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھالیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے ہاں مزنی رح کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرند نے شکار کا گوشت کھالیا ہو تاہم وہ حرام نہیں یہی مذہب ابو حنیفہ رح اور احمد رح کا ہے اس لئے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کرہی نہیں سکتا جب تک وہ اسے کھالے نہیں۔ تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لئے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے پرندوں کے بارے میں نہیں۔ شیخ ابو علی افصاح میں فرماتے ہیں جب ہم نے یہ طے کرلیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھالیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھالے اس میں دو وجہیں ہیں لیکن قاضی ابو الطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے کیونکہ امام شافعی رح نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مُتَرَدِّیَۃ وہ ہے جو پہاڑی سے یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو وہ جانور بھی حرام ہے۔ ابن عباس رضؓ یہی فرماتے ہیں۔ قتادہ رح فرماتے ہیں یہ وہ ہے جو کنوئیں میں گر پڑے۔ نَطِیْحَۃ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا ہو یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیر تے کے آتا ہے جیسے عَیْنٌ کَحِیْلٌ اور کَفٌّ خَضِیْبٌ ان مواقع میں کَحِیْلَۃٌ اور خَضِیْبَۃٌ نہیں کہتے۔ اس جگہ تے اس لئے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے جیسے عرب کا یہ کلام طَرِیْقَۃٌ طَوِیْلَۃٌ بعض نحوی کہتے ہیں تاء تانیث یہاں اس لئے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہوجائے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے مَآ اَکَلَ السَّبُعُ مراد وہ جانور ہے جس پر شیر یا بھیڑیا یا چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھاجائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالاجماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت ایسے جانور کا بقیہ کھالیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو

اس سے منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر لو یعنی گلا گھونٹا ہوا لٹھ مارا ہوا اوپر سے گر پڑا ہوا سینگ اور ٹکر لگا ہوا اور درندوں کا کھایا ہوا اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ نام خدا لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لئے حلال ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رض سعید بن جبیر رض حسن رض اور سدی رض یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علی رض سے روایت ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پالو کہ چھری پھیرتے ہوئے وہ دم کو حرکت دیں یا پیر ہلائیں یا دیدے پھرائیں تو بیشک ذبح کر کے کھالو۔ ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گر پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر ہلاتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤس حسن قتادہ عبید بن عمیر ضحاک اور بہت سے حضرات سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہئے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں۔ سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑا جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی۔ آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے۔ یہ ہے امام مالک رح کا مذہب۔ لیکن چونکہ آیت عام ہے اس لئے امام صاحب نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہئے۔ واللہ اعلم۔ صحیحین میں حضرت رافع بن خدیج رض سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ حضور ہم کل دشمن سے لڑائی میں بھڑنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے اسے کھا لو سوائے دانت اور ناخن کے۔ یہ اس لئے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔ مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے ہی میں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے۔ یہ حدیث ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ صحیح طور پر ذبح کر سکنے پر قادر نہ ہوں۔ نصب پر جو جانور ذبح کئے جائیں وہ بھی حرام ہیں۔ مجاہد رح فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے ارد گرد تھیں۔ ابن جریج رح فرماتے ہیں یہ تین سو ساٹھ بت تھے۔ جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت کو ان بتوں پر بطور چڑھاوے کے چڑھاتے تھے پس خدائے تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے اور یہی لائق ہے اور اس جملے کا بھی مطلب یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جائیں۔

فال اور اس کی حرمت

ازلام سے تقسیم کرنا جو حرام ہے وہ وہ ہے جو جاہلیت کے عرب میں دستور تھا انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے ایک پر لکھا ہوا تھا افعل یعنی کر، دوسرے پر لکھا ہوا تھا لا تفعل یعنی نہ کر، تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا مجھے میرے رب کا حکم ہے۔ دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے رب کی ممانعت ہے۔ تیسرا خالی تھا اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ وہ لوگ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے اگر حکم کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرتے۔ اگر ممانعت کا تیر نکلتا تو باز آجاتے۔ اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے۔ ازلام جمع ہے زلم کی اور بعض زُلم بھی کہتے ہیں۔ استقسام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے۔ قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنوئیں پر نصب تھا جس کنوئیں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے اس بت کے پاس سات تیر تھے جن پر کچھ لکھا ہوا تھا جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی

یہاں آکر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اُس پر جو لکھا پاتے اُسی کے مطابق عمل کرتے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے کھڑے ہوئے پائے جن کے ہاتھوں میں تیر تھے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ انھیں غارت کرے۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے کے لئے نکلا کہ انھیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اُس وقت ہجرت کر کے مکے سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی۔ اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا۔ میں نے پھر تیروں کو ملا جُلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ تو انھیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ میں نے پھر نہ مانا۔ تیسری مرتبہ فال لینے کے لئے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل کرنے اور سرخرو ہونے کے لئے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا اُس وقت تک سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے خدا نے اسلام سے مشرف فرمایا۔ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے یا تیر اندازی کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعہ اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لئے مگر ان سے جوا بھی گاہے گاہے کھیل لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوے کو بھی حرام کیا ہے اور فرمایا ہے ایمان والو! شراب جوا، بُت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں تم ان سے الگ رہو تاکہ تمھیں نجات ملے شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ ان کے ذریعہ سے تمھارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے الخ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے اس کام کا کرنا فسق اور گمراہی اور جہالت اور شرک ہے اس کے بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمھیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے

استخارہ

استخارہ کر لو اس کی عبادت کر کے اُس سے بھلائی طلب کرو۔ مسند احمد بخاری اور سنن میں مروی ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آپڑے تو اُسے چاہئے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پھر یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ۔ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بہت بڑے فضل کا طالب ہوں یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا آغاز و انجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے اور اسے میرے لئے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا کی زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لئے خیر و برکت جہاں کہیں ہو مقرر کر دے پھر مجھے اسی سے راضی رضامند کر دے۔

دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں هٰذَا الْاَمْرَ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے۔ مثلاً نکاح ہو تو کہے هٰذَا النِّكَاحَ سفر ہو تو هٰذَا السَّفَرَ بیوپار ہو تو هٰذِهِ التِّجَارَةَ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ سے اَمْرِیْ تک کے بجائے یہ الفاظ ہیں خَیْرٌ لِّیْ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے آج کافر تمھارے دین سے مایوس ہو گئے۔ یعنی اُن کی یہ امیدیں

خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں، اپنے دین کی تمہارے دین میں گڈمڈ کر لیں چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرۂ عرب میں اس کی پرستش کریں ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین تم اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے مل جل رہیں کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا اسی لئے حکم خداوندی ہو رہا ہے کہ مؤمن صبر کریں ثابت قدم رہیں اور سوا خدا کے کسی سے نہ ڈریں، کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ خدا ان کی مدد کرے گا اور انھیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے شر سے ان کی محافظت کرے گا اور دنیا اور آخرت میں انھیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل مکمل کر دیا تمھیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں۔ نہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی اور نبی کی طرف تمہاری حاجت ہے۔ خدا نے تمہارے نبی کو خاتم النبیین کیا ہے انھیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں۔ دین وہی ہے جسے وہ مقرر کریں ان کی تمام باتیں حق اور صداقت والی جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور خلاف نہیں جیسے فرمان باری ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۔ یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں اس لئے تم بھی اسی پر راضی رہو یہی دین خدا کا پسندیدہ ہے اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اور اپنی اشرف کتاب نازل فرمائی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کامل مکمل کر دیا ہے اور اپنے نبی اور مؤمنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے۔ اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں۔ اسے خدا نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہونے کا۔ اس سے خدا خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدی رح فرماتے ہیں۔ یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی اس کے بعد حلال حرام کا کوئی حکم نہیں اترا اس حج سے لوٹ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ حضرت اسماء بنت عمیس فرماتی ہیں اس آخری حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی تھی ہم جا رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیل کی تجلی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی۔ اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہ رکھتی تھی میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسول پر اڑھا دی۔ ابن جریر وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے۔ حج اکبر والے دن جب کہ یہ آیت اتری تو حضرت عمر رض رونے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم ابھی دین کی اور زیادتی کی امید میں تھے اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے اس معنیٰ کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجان پن سے شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب انجان ہو جائے گا پس غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظم رض سے کہا تم جو اس آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ الخ کو پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے۔ حضرت عمر رض نے فرمایا بخدا مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے ہم سب اس وقت میدانِ عرفہ میں تھے اور تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھا۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب نے حضرت عمر رض سے یہ کہا تھا اور حضرت عمر رض نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دو عید والے دن نازل ہوئی ہے حضرت ابن عباس رض کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپ نے فرمایا ہمارے ہاں تو یہ آیت دو عید والے دن نازل ہوئی ہے۔ عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ حضرت علی رض سے روایت ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن شام کو نازل ہوئی ہے۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفے کو یہ نازل ہوئی ہے حضرت سمرہ رض فرماتے ہیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم موقف میں کھڑے ہوئے تھے۔ ابن عباس رض سے مروی روایت ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے پیر کے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر کے دن ہی مدینے میں تشریف لائے۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ مسند احمد میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا

ہوئے، پیر کے دن نبی بنائے گئے، پیر کے دن ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے، پیر کے روز ہی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کئے گئے، حجر اسود بھی پیر کے دن واقع ہوا۔ اس میں سورۂ مائدہ کا پیر کے دن نازل ہونا مذکور نہیں، میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہوگا دو عیدوں کے دن یہ آیت نازل ہوئی تو دو کے لئے بھی لفظ اثنین ہے اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں اس لئے راوی کو شبہ سا ہو گیا واللہ اعلم۔ دو قول اس میں اور بھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نامعلوم ہے دوسرا یہ کہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں اس کا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہے تو گویا ذی الحجہ کی اٹھارھویں تاریخ ہوئی جبکہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے لیکن یاد رہے کہ یہ دونوں صحیح نہیں بالکل صحیح قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفہ کے دن جمعہ کو نازل ہوئی ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب اور امیر المومنین علی بن ابی طالب اور اسلام کے پہلے بادشاہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی روایت ہے اور اسی کو حضرت شعبی حضرت قتادہ حضرت شہر وغیرہ ائمہ اور علماء نے کہا ہے یہی مختار قول ابن جریر اور طبری رحمہ اللہ کا ہے پھر فرماتا ہے جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور و بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام میں لا سکتا ہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی لیکن بے بسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے تو خدا اسے معاف فرما دے گا صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ خدا تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ مسند احمد میں ہے جو شخص خدا کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے اس پر عرفات کے پہاڑ کے برابر گناہ ہے۔ اسی لئے فقہا کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مرا چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح۔ ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جبکہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام۔ صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر [illegible] بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے یہ تفصیل احکام کی کتب میں ذکر ہوگی۔ اس مسئلہ میں کہ جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں شکار تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھائے؟ یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کرے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی چیز بلا اجازت کھا لے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کر دے اس میں دو قول ہیں امام شافعی رحمہ اللہ سے دونوں منقول ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ جب ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھانا کب جائز ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب صبح شام کھانا نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے۔ اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں حضرت حسن کے پاس حضرت سمرہ کی کتاب تھی جس کو میں ان کے سامنے پڑھتا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تک کہ تو اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے۔ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال حرام کا سوال کیا آپ نے جواب دیا کہ کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام۔ ہاں جب کہ تو ان کی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ تو ان سے غنی نہ ہو جائے اس نے پھر دریافت کیا کہ وہ محتاجی کونسی ہے جس میں میرے لئے وہ حرام چیز حلال ہو جائے؟ وہ غنی ہونا کونسا ہے جس سے مجھے اس سے رک جانا چاہیے فرمایا جب کہ تو صرف رات کو اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہو تو تو حرام چیز سے پرہیز کر۔ ابو داؤد میں ہے حضرت نجیع عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہمارے لئے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے اس نے کہا صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ۔ آپ نے کہا یہی ہے اور کونسی بھوک ہوگی؟ پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی

تھا بھوک باقی رہتی تھی اس لئے ان پر مردار حلال کر دیا گیا تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مُردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو یہ قید ٹھیک نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابو داؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل و عیال کے آیا اور حرہ میں ٹھہرا کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی اُس نے اُن سے کہا اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اُسے پکڑ لینا اتفاق سے یہ اونٹنی اُنھیں مل گئی۔ اب یہ اُس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا ہم بھوکے رہا کرتے ہیں تم اسے ذبح کر ڈالو لیکن اُس نے انکار کر دیا آخر اونٹنی مرگئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھا لو ہم بھوکوں کو کام آجاوے گا۔ اُس بزرگ نے جواب دیا میں تو یہ بھی نہیں کروں گا۔ ہاں اگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیدیں تو اور بات ہے۔ چنانچہ حاضر حضورؐ ہو کر اُس نے تمام قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اُسے یہ علم ہوا تو اُس نے کہا پھر تم نے اُسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لیا؟ اس بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی۔ یہ حدیث دلیل ہے اُن لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقتِ اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق پاس رکھ لینا بھی جائز ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ حرام بوقتِ اضطرار اس کے لئے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو اس کے لئے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے جیسے سورۂ بقرہ میں ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گزرنے والے کے۔ بس اُس پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص خدا کی کسی نافرمانی کیلئے سفر کر رہا ہو اُسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں اس لئے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور حلال رکھے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا

اور تم اُن کو چھوڑو بھی اور اُن کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھاؤ اور اس پر

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بیشک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

حلال اشیاء

چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ وہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں۔ پھر ضرورت کی حالت کو خاص کر لیا جیسے فرمان ہے۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل کے ساتھ تمہارے سامنے آچکا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم ان کی طرف بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہد یجئے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں سورۂ اعراف

ف یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی گناہ کے ارادہ سے سفر کر رہا ہو مثلاً اس کا ارادہ ہو کہ فلاں جگہ پہنچ کر فلاں آدمی کو قتل کر دوں گا یا ڈاکہ ڈالوں گا یا زنا کروں گا تو اس مسافر کو سفر میں شریعت کی جانب سے رخصتیں ملتی ہیں مثلاً قصر افطار وغیرہ اس کو حاصل نہ ہوں گی لیکن امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نفس سفر میں معصیت کا کوئی اثر نہیں یہ تو مسافر کے اپنے احوال ہیں۔ اور شریعت نے جو رخصت دی ہے اس کا تعلق سفر سے ہے مسافر سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سفر میں افطار کی اجازت ہے حالانکہ بعض مسافر بہت آرام کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور ان کو سفر میں کوئی بھی تکلیف یا پریشانی نہیں ہوتی ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتم رضؓ اور زید بن مہلہل رضؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مُردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اُتری۔ حضرت سعید رحؒ فرماتے ہیں یعنی ذبح کئے ہوئے جانور حلال طیب ہیں۔ مقاتل رحؒ فرماتے ہیں ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہری رحؒ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔ امام رحؒ سے پوچھا گیا کہ اُس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے ہیں؟ فرمایا وہ طیبات میں داخل نہیں۔ اور تمہارے لئے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھے ہوئے کتّے اور شکرے وغیرہ کے ذریعہ۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہ تابعین ائمہ وغیرہ کا۔ ابن عباس رضؓ سے نقل ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتّے، باز، چیتے، شکرے وغیرہ، ہر وہ پرند جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جا سکتا ہو۔ اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی نقل ہے کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کر لے اُن کے ذریعہ شکار کھیلنا حلال ہے لیکن حضرت مجاہد رحؒ سے نقل ہے کہ اُنھوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ پڑھا ہے۔ سعید بن جبیر رحؒ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ابن جریر میں ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمھیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھا لو ورنہ نہ کھاؤ۔ لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو اُس کا اور شکاری کتّوں کے کئے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے اس لئے کہ وہ بھی اپنے پنجوں کے ذریعہ کتّے کی طرح شکار کھیلتا ہے پھر ان میں فرق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں ائمہ وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریر رحؒ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں۔ اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے کئے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اُسے کھا لے۔ امام احمد رحؒ نے سیاہ کتّے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کر لیا ہے اس لئے کہ اُن کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں گدھا، عورت اور سیاہ کتّا۔ اس پر حضرت اُبی رضؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ سیاہ کتّے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ شیطان ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتّوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انھیں کتّوں سے کیا واسطہ؟ ان کتّوں میں سے سخت سیاہ کتّوں کو مار ڈالا کرو۔ شکاری حیوانات کو جَوَارِح اس لئے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب اور کمائی کو۔ جیسے عرب کہتے ہیں فُلَانٌ جَرَحَ اَهْلَهٗ خَيْرًا یعنی فلاں شخص نے اپنے اہل کے لئے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں فُلَانٌ لَا جَارِحَ لَهٗ فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں۔ قرآن میں بھی لفظ جَرَحَ کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے۔ فرمان ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اُسے بھی خدا جانتا ہے۔ اس آیہ کریمہ کے اُترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتّوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کئے جانے لگے تو لوگوں نے آکر آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے ان سے ہمارے لئے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش ہو رہے اس پر یہ آیت اُتری۔ پس آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتّے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھائے۔ ابن جریر میں ہے کہ جبرئیل ؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپ نے فرمایا اے قاصدِ خدا ہم تو تمھیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا ہم اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتّا ہو۔ اس پر آپ نے حضرت ابو رافع رضؓ کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتّے مار ڈالے جائیں۔ ابو رافع رضؓ فرماتے ہیں میں گیا اور سب کتّوں کو قتل کرنے لگا ایک بڑھیا کے پاس ایک کتّا تھا جو اُس کے دامن میں سمٹنے لگا اور بطور فریاد کے اُس کے سامنے بھونکنے لگا مجھے رحم آ گیا اور میں نے اُسے چھوڑ دیا اور آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے حکم دیا کہ اُسے بھی باقی نہ چھوڑو۔ میں پھر واپس گیا اور اُسے بھی قتل کر دیا اب لوگوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے اُن سے کوئی فائدہ ہمارے لئے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ الخ

تا نازل ہوئی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافع رضؓ اُس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ پوچھنے والوں کے نام بھی اُس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدی، حضرت سعید بن خیثمہ، حضرت عویمر بن ساعدہ رضی اللہ عنہم، محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کا شانِ نزول کتوں کا قتل ہے۔ مُکَلِّبِیْنَ کا لفظ ممکن ہے کہ عَلَّمْتُمْ کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جَوَارِحِ یعنی مفعول کا حال ہو یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو در آنحالیکہ وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں۔ اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا جیسے امام شافعی رحؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے اور علماء کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے اسی لئے فرمایا تم نے اُنھیں اُس میں سے کچھ سکھا دیا ہو جو خدا نے تمھیں سکھا رکھا ہے یعنی جب تم چھوڑ دو تو وہ شکار پر جائے اور جب تم روکو تو رُک جائے اور شکار پکڑ کر تمھارے لئے روک رکھے تا کہ تم جا کر اُسے لے لو اُس نے خود اپنے لئے اُسے شکار نہ کیا ہو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اُس نے اپنے چھوڑنے والے کے لئے شکار کیا ہو اور اُس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت خدا کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لئے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو۔ اس پر اجماع ہے اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ میں اللہ کا نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اُسے کھا لے اگرچہ کتے نے اُسے مار بھی ڈالا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اُس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملنا چاہیے اس لئے کہ تو نے اپنے کتے کو خدا کا نام لیکر چھوڑا ہے۔ دوسرے کو بسم اللہ پڑھ کر نہیں چھوڑا۔ میں نے کہا میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں؟ فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھالے۔ اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے۔ دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام لے لیا کر پھر اگر وہ شکار کو تیرے لئے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈال اور اگر کتے ہی نے اُسے مار ڈالا ہو اور اُس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اُسے بھی کھا سکتا ہے اس لئے کہ کتے کا اُسے شکار کر لینا ہی اُس کا ذبیحہ ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اگر اُس نے کھا لیا ہو تو پھر تو اُسے نہ کھا مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اُس نے اپنے کھانے کے لئے شکار کو نہ پکڑا ہو۔ یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعی رحؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھالے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں جیسے کہ حدیث میں ہے ہاں سلف کی ایک جماعت کا قول یہی ہے کہ مطلقاً حلال ہے اُن کے دلائل یہ ہیں۔ سلمان فارسی رضؓ فرماتے ہیں تو بھی کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو۔ حضرت سعید بن ابی وقاص رضؓ فرماتے ہیں کہ گو ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو تا ہم کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں جب بسم اللہ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لئے پکڑ رکھا ہے تو اُسے کھا لے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو یہی روایت ہے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ حضرت عطا اور حضرت حسن بصری رحؒ سے اس میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ زہری ربیعہ اور مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے۔ یہی امام شافعی رحؒ کا پہلا قول ہے اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اُسے کھا لیا ہو تو جو باقی ہو اُسے وہ کھا سکتا ہے اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریر رحؒ کچھ اشکال ہیں اور سعید راوی کا حضرت سلمان رضؓ سے سُننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان رضؓ کا قول نقل کرتے ہیں یہ قول ہے تو صحیح لیکن اسی معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں ابو داؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابو ثعلبہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے کہا کہ حضور میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں اُن کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لئے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے اُس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگرچہ کتے نے کھا لیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو

انھوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں اُس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اُسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ پوچھا اگر زندہ ملے اور میں اُسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تب بھی؟ فرمایا بلکہ گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈھنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اُس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو۔ انھوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لئے کیسا ہے؟ فرمایا تم انھیں دھو ڈالو پھر اُن میں کھا پی سکتے ہو۔ یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔ ابو داؤد کی دوسری حدیث میں ہے جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لیکر چھوڑا ہو تو اُس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اُس نے اُس میں سے کھا بھی لیا ہو۔ اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لئے لایا ہو اُسے بھی تو کھا سکتا ہے ان دونوں حدیثوں کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھا ہوا کتا جو شکار تیرے لئے کھیلے تو اُسے کھا لے۔ حضرت عدی رضؓ نے پوچھا اگرچہ اُس نے اُس میں سے کھا لیا ہو؟ فرمایا ہاں پھر بھی۔ ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھا لیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام۔ اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گذر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اُسے کھا لیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابو ثعلبہ والی حدیث۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح حدیثیں جمع بھی ہو جاتی ہیں۔ استاد ابو المعالی جوینیؒ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس میں یہ تفصیل کرے تو الحمد للہ یہ تفصیل لوگوں نے کر لی۔ اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھایا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدی رضؓ کی حدیث میں ہے اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لئے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ اگر پرند اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارے نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھا جائے تو تو کھالے۔ ابراہیم نخعی شعبی حماد بن سلیمان یہی کہتے ہیں ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لئے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور شکار حاصل کرنے والے سدھائے ہوئے تمھارے لئے شکار روک رکھیں اور تم نے اُن پر اللہ کا نام ذکر کیا ہو اُسے تم کھاؤ۔ پھر فرمایا جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لیکر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اُسے کھا لے۔ میں نے کہا گو اُسے مار ڈالا ہو؟ فرمایا گو اُسے مار ڈالا ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کھایا نہ ہو میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے شکار کیا کرتے ہیں اُس میں سے کونسا حلال ہے؟ فرمایا جو تیر زخمی کرے اور تو نے خدا کا نام لے کر چھوڑا ہو اُسے کھالے وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتلائی اور باز میں نہیں بتلائی۔ پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا واللہ اعلم۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھاؤ جن حلال جانوروں کو تمھارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت خدا کا نام یاد کر لیا ہو جیسے کہ حضرت عدی رضؓ اور حضرت ابو ثعلبہ رضؓ کی حدیث میں ہے اسی لئے حضرت امام احمد رحؒ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لئے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے۔ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بسم اللہ کہہ لے۔ ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں بعض بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ صحیحین میں عمر بن ابی سلمہ کے، ربیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا روایت ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں وہ ہیں تو مسلم اس کا علم نہیں ہوتا کہ انھوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں تو کیا ہم اُسے کھالیں؟ آپ نے فرمایا تم خود خدا کا نام لے لو اور کھالو۔ مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے جو ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اُس میں سے اُٹھائے آپ نے فرمایا اگر یہ بسم اللہ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہدے بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن

ماجہ میں بھی ہے دوسری سند سے یہ حدیث ابوداؤد ترمذی نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں جابر ابن صبیح فرماتے ہیں حضرت مثنی بن عبدالرحمٰن خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا اُن کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت تو بسم اللہ کہتے اور آخری لقمہ کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کہہ لیا کرتے اور مجھ سے انھوں نے فرمایا کہ خالد بن امیہ بن مخشی صحابی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ شیطان اُس شخص کے ساتھ کھاتا رہتا ہے جس نے اللہ کا نام نہ لیا ہو جب کھانے والا اللہ کا نام یاد کرتا ہے تو اُسے قے ہو جاتی ہے اور جتنا اُس نے کھایا ہے سب نکل جاتا ہے (مسند احمد وغیرہ) اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ بتلاتے ہیں لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں یہ راوی اس قابل نہیں کہ اس کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے جو ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی جیسے اسے کوئی دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اُس نے لقمہ اُٹھانا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اُس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اُسے اپنے لئے حلال کر لیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اُس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اس اعرابی کے ساتھ آیا تو میں نے اُس کا بھی ہاتھ تھام لیا اُس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے (مسند، مسلم، ابوداؤد، نسائی) مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانو! نہ تو تمہارے لئے رات گذارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا۔ اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ مسند اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں خدا کی طرف سے برکت دی جائے گی۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ

آج تمہارے لئے حلال چیزیں حلال رکھی گئیں اور جو لوگ کتاب دیئے گئے ہیں اُن کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ

حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اُن کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں اور پارسا عورتیں اُن لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ

کتاب دیئے گئے ہیں جب کہ تم اُن کو اُن کا معاوضہ دیدو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ نہ تو علانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ

اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۵﴾

آشنائی کرو اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا تو اُس شخص کا عمل غارت ہو جاوے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں بالکل زیاں کار ہوگا

اہل کتاب کا ذبیحہ اور اس کا شرعی حکم

حلال و حرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل طیب چیزیں حلال ہیں پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ ابوامامہ مجاہد سعید بن جبیر عکرمہ عطاء حسن مکحول ابراہیم نخعی سدی مقاتل بن حیانؒ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ طعام سے مراد اُن کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا ناروا جانتے ہیں اور ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو اُن کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی میں نے اُسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا اب اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم

صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ تینوں مذہب کے فقہا نے مالکیوں پر اپنی یہ سند پیش کی ہے اور کہا ہے تم جو یہ کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود اُن کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے۔ دیکھو چربی کو یہودی حرام جانتے ہیں لیکن مسلمان اُسے لے رہا ہے۔ لیکن یہ ہے ایک شخصی واقعہ ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہو جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے۔ یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔ اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو اُنھوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ حضورؐ کو شانے کا گوشت پسند ہے چنانچہ آپ نے اُس کا یہی گوشت لیکر مُنھ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمانِ باری سے اُس شانے نے کہا کہ مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ آپ نے اُسی وقت اُسے تھوک دیا اور اُس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ بھی گیا۔ آپ کے ساتھ حضرت بشر ابن براء ابن معرور رضہ بھی تھے جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا جس کا نام زینب تھا۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے ساتھیوں کے اُس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حرام جانتے ہو اُسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پُرانی سوکھی چربی پیش کی تھی حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے اُس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر اسے منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانور حلال کر دیئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام خدا نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لئے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر خدا کا نام لیتے تھے بلکہ وہ جس گوشت کو کھاتے تھے اُسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مُردہ جانور بھی کھا لیتے تھے بخلاف ان کے سوائے جیسے سامرہ اور صائبہ اور ابراہیم و شیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدّعی جیسے کہ علماء کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنو تغلب، تنوخ، بہرا، جذام، لخم، عاملہ اور ان جیسے اور۔ کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی رضہ فرماتے ہیں قبیلہ بنو تغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ اس لئے کہ انھوں نے تو نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی۔ ہاں سعید بن مسیب اور حسن بنو تغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کئے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔ باقی رہے مجوسی تو ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انھیں اس مسئلہ میں یہود نصاریٰ سے ملا دیا گیا ہے اور ان کا تابع کر دیا گیا ہے لیکن اُن کی عورتوں سے نکاح کرنا اور اُن کے ذبح کئے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے ہاں ابو ثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے اس کے خلاف ہیں جب انھوں نے یہ کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ ابو ثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ۔ ممکن ہے ابو ثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ مسئلہ کہا ہو جس میں ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہلِ کتاب کا طریقہ برتو لیکن اوّلاً تو یہ روایت ان الفاظ سے ثابت ہی نہیں۔ دوسرے یہ روایت مرسل ہے۔ البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابو ثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کے عموم سے بھی بدلیل اس آیت کے مفہوم مخالف کے اہلِ کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انھیں اپنے ذبیحے کھلا سکتے ہو یہ اس امر کی خبر نہیں کہ اُن کے دین میں اُن کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ خبر ہو اس بات کی کہ انھیں بھی اُن کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ خدا کے نام پر ہوا ہو اُسے وہ کھا سکتے ہیں عام اس سے کہ ذبح کرنے والا اُنھیں میں سے ہو یا اُن کے سوا کوئی اور ہو لیکن زیادہ ظاہر بات پہلی ہی ہے۔ یعنی یہ کہ تمھیں اجازت ہے کہ انھیں اپنے ذبیحے کھلاؤ جیسے اُن کے ذبح کئے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا ادل بدل کے طور پر

ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اُس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا جب کہ وہ مدینے میں آئے تھے تو آپ نے اس کا بدلہ کر دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کو نہ کھلاؤ۔ اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور استحباب اور افضلیت کے ہو۔ واللہ اعلم۔

ازدواجی زندگی کے احکام

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ بطور تمہید کے ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ اُن میں کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے یہ قول بھی ہے کہ مراد مُحْصَنَات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہد رح کی طرف منسوب ہے اور حضرت مجاہد رح کے الفاظ یہ ہیں کہ مُحْصَنَات سے آزاد عورتیں مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ پاکدامن عفت شعار۔ جیسے کہ ان ہی سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے۔ جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہی زیادہ ٹھیک ہے تاکہ ذمیّہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعثِ فساد نہ بن جائے اور اُس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر اور بُرے پیمانے کے طور پر نہ ہو جائے پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد یہاں عفت مآب اور بدکاری سے بچنے والیاں ہی لی جائیں جیسے دوسری آیت میں مُحْصَنَاتٍ کے ساتھ ہی غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ آیا ہے علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت کو شامل ہے۔ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریر میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ محصنہ سے مراد پاکدامن ہے ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں۔ امام شافعی رح کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ الخ یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا؟ کہ وہ کہتی ہو کہ اُس کا رب عیسیٰ ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی موجود ہے کہ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ الخ یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ رضوان سے رُک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت کی نازل ہوئی تو صحابہ رض نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کئے۔ اور صحابہ رض کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر ثابت کرتے ہیں تو گویا پہلے سورۂ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انھیں مخصوص کر دیا یہ اُس وقت جب مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارضہ نہیں اس لئے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انھیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ اور قُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ الخ پھر فرماتا ہے جب تم انھیں اُن کے مقررہ مہر دیدو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں اور تم اُن کے مہر ادا کرنے والے ہو۔ حضرت جابر بن عبداللہ رض عامر شعبی رح ابراہیم نخعی رح حسن بصری رح کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اُس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اُسے واپس دلوا دیا جائے گا (ابن جریر) پھر فرماتا ہے تم بھی پاکدامن عفت مآب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاکدامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی مردوں میں بھی یہی شرط لگائی۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر اُدھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص

تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں سورۂ نساء میں بھی اسی کے برابر گذر چکا ہے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں اور یہی حکم اُن کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیکوکار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آجائیں ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسے سے ہی نکاح کر سکتا ہے خلیفۃ المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اُسے ہرگز کسی مسلمان پاکدامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت اُبی بن کعبؓ نے عرض کی کہ اے امیر المؤمنین شرک اس سے بہت بڑا ہے باوجود اس کے بھی اُس کی توبہ قبول ہوتی ہے اس مسئلے کو ہم آیت اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً الخ کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھنے لگو تو اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا

سمیت اور اپنے سروں پر ہاتھ پھیرو اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو

فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

تو سارا بدن پاک کرو اور اگر تم بیمار ہو یا بحالت سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے

النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

قربت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو اس زمین

مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ

پر سے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر انعام تام

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٦﴾

فرما دے تاکہ تم شکر ادا کرو

وضو اور اس سے متعلق احکام

اکثر مفسرین نے کہا ہے حکم وضو اُس وقت ہے جب کہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو۔ ان دونوں قول کا مفاد تقریباً ایک ہی ہے۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو ہو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اُس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا پھر یہ منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے دن آپ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آج آپ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ قصداً کیا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو پھر کر لیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشرؒ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو اُن کے صاحبزادے حضرت عبیداللہ رحؒ سے سوال کیا گیا کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا ان سے حضرت اسماء بنت یزید بن خطاب رضؓ نے کہا ہے اُن سے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضؓ نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے[1] بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں کہ وضو باقی ہو تو بھی۔ لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لئے نیا وضو ضروری ہے۔ اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہ رضؓ کا خیال ہے کہ چونکہ انھیں قوت ہے اس لئے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں آخری دم تک آپ کا یہی حال رہا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن والدہ۔

اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ لیکن چونکہ انھوں نے صراحت کے ساتھ حدثنا کہا ہے اس لئے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ رضؓ کے اس فعل اور اس مداومت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یوم القیامہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرما دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پیر اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابوداؤد طیالسی میں حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وضو ٹوٹے بغیر وضو کرنا اسراف اور پانی کا بلا ضرورت استعمال ہے اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے دوسرے یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو۔ اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے بخاری، سنن وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے نیا وضو کرتے تھے۔ ایک انصاری رحؒ نے حضرت انس رضؓ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ کیا کرتے تھے؟ فرمایا ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں۔ ابن جریر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے اور امام ترمذی رحؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں صرف نماز کے لئے ہی اس کا وجوب ہے یہ اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ وضو نہ کر لیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب پیشاب کا ارادہ کرتے ہم آپ سے بولتے لیکن آپ جواب نہ دیتے، ہم سلام علیک کرتے پھر بھی آپ جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاخانہ سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں؟ فرمایا وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لئے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذی رحؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے نماز تو پڑھنی نہیں جو میں وضو کروں۔ آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو علمائے کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے[2]۔ مطلب کلام اللہ شریف کا یہ ہے کہ نماز

[1] یہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ بڑے درجہ کے صحابی تھے۔ غزوہ میں شہادت ہوئی تو حالتِ جنابت میں کیونکہ جب انھوں نے جہاد کا حکم سُنا تھا زوجۂ محترمہ کے ساتھ ہمبستری میں مشغول تھے پھر جہاد کا اعلان سُننے کے بعد تاخیر نہیں کی اور نہ غسل کی مہلت ملی۔ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حنظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۲ انظر شاہ کشمیری [2] وضو میں نیت کے وجوب کے قائل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو میں نیت کو واجب نہیں کیا ہے۔ کیونکہ ابن کثیر نے اس موقع پر علماء کا مسلک ذکر کیا ہے اس لئے ہم شوافع رحمہم اللہ کے استدلال کا ایک جائزہ لیتے ہوئے اس سلسلہ میں احناف کے نقطۂ نظر کو واضح کریں گے۔ ہماری آئندہ سطور سیدنا امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بخاری سے ماخوذ ہیں حضرت الامام العصر کو خدا تعالیٰ نے حنفیت کو مطابق قرآن و حدیث (بقیہ حاشیہ ص ۵۸)

کے لئے وضو کر لیا کرو جیسے عرب میں کہا جاتا ہے جب تو امیر کو دیکھے تو کھڑا ہو جا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لئے کھڑا ہو جا۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے اور منہ کے دھونے سے پہلے وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس شخص کا وضو ہی نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آئی ہے۔ صحیحین میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے اُسے نہیں معلوم کہ اُس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں۔ منہ کی حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کے اُگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کے پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے نکلتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُن پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لئے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اُس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دو یہ بھی منہ میں داخل ہے۔ حضرت مجاہد رح فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں طَلَعَ وَجْهُهٗ۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وَجْهِ میں داخل ہے داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اُس کا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا اسی طرح میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے (ترمذی وغیرہ) اس روایت کو امام بخاری رح اور امام ترمذی رح حسن بتلاتے ہیں۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔ حضرت امام بیہقی رح فرماتے ہیں داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار، حضرت عائشہ، حضرت اُمّ سلمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمر رض، حسن بن علی رض، نخعی رح اور تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ صحاح وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرنے بیٹھتے کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ ائمہ کا اس میں

(بقیہ حاشیہ ص۵۵) کرنے کا جو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اس کی شہادت آنے والی تقریر سے ملے گی۔ آپ کی تقریر بخاری چار جلدوں میں فیض الباری کے نام سے شائع ہو چکی ہے حضرت امام العصر فرماتے ہیں کہ عبادت، قربت، طاعت۔ یہ تین چیزیں ہیں۔ عبادت میں نیت بھی شرط ہے اور یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ وہ کس کی عبادت کر رہا ہے اور قربت میں نیت ضروری نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ کس کے لئے کر رہا ہے اس کی مثال تلاوتِ قرآن ہے۔ اور طاعت میں نہ تو نیت ہی ضروری ہے اور نہ یہ جاننا ضروری ہے کہ کس کے لئے کر رہا ہے مثلاً عالم اور مخلوقات میں غور و فکر سے کام لے کر اسلام کو صحیح مذہب اور دین برحق جاننا۔ اس اجمال کے بعد تفصیل یہ ہے کہ دین پانچ چیزوں سے مرکب ہے۔ عبادات۔ عقوبات۔ معاملات۔ اعتقادات اور اخلاق۔ اخلاق اور اعتقادات کی بحث ان سے متعلق کتابوں میں ملے گی۔ عبادات میں سے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔ ان چار میں نیت باتفاق ضروری ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ معاملات بھی پانچ قسم کے ہیں۔ نکاح۔ خرید و فروخت۔ باہمی جھگڑے۔ ترکہ۔ اور امانت۔ ان پانچوں میں کسی امام کے یہاں نیت ضروری نہیں۔ اگر کوئی شخص خرید و فروخت نیت کے بغیر کرتا ہے تو وہ صحیح ہوگا۔ اور عقوبات کی بھی پانچ صورتیں ہیں۔ مرتد ہونے پر سزا۔ کسی پاکدامن عورت پر زنا کا الزام لگانا اور پھر اس کو صحیح ثابت نہ کرنے پر سزا۔ زنا کی سزا۔ چوری پر سزا۔ اور قصاص۔ ان پانچوں میں بھی کسی نے نیت کی شرط نہیں لگائی ہے۔ یہ تمام تفصیل آپ کے سامنے ہے۔ اب بتائیے کہ اتنے معاملات میں کوئی امام نیت کی شرط نہیں لگاتا اور اس کے باوجود ان پر انما الاعمال بالنیات والی حدیث سے اعتراض نہیں ہوتا اور وضو تو صرف ایک ذریعہ ہے اس میں نیت کی شرط نہ لگانے پر امام اعظم پر اعتراض کیا زیادتی نہیں ہے؟ فیض الباری ص جلد اول۔ اور اسی طرح وضو سے پہلے بسم اللہ۔ احناف اس کو بھی واجب نہیں کہتے۔ ایک واقعہ احادیث میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی شخص نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا اور وضو فرمانے کے بعد جواب ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ بے وضو رہ کر خدا کا نام لینا ٹھیک نہیں ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ وضو سے پہلے بسم اللہ جو قرآن مجید کی ایک آیت ہے کیسے مناسب ہوگی؟ ۱۲ انظر شاہ کشمیری

اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضوء اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعی رح اور امام مالکؒ مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل سنن کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا موجود ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے امام ابوحنیفہ رح کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضوء میں نہیں۔ ایک روایت امام احمد سے ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جو وضوء کرے وہ ناک میں پانی ڈالے۔ اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضوء کرے وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح۔ مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ وضوء کرنے بیٹھے تو منہ دھویا ایک چلو پانی کا لیکر کلی کی اور ناک کو صاف کیا پھر ایک چلو لیکر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لیکر اُس سے بایاں ہاتھ دھویا' پھر اپنے سر کا مسح کیا' پھر پانی کا ایک چلو لیکر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اُسے دھویا پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا پھر فرمایا میں نے خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ اِلَی الْمَرَافِقِ سے مراد مَعَ الْمَرَافِقِ ہے جیسے فرمان ہے۔ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۔ یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو یہ بڑا ہی گناہ ہے اسی طرح یہاں بھی ہے۔ تو ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہیے۔ دارقطنی وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے لیکن اس کے دو راویوں میں کلام ہے واللہ اعلم۔ وضوء کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانے کو بھی وضوء میں دھوئے کیونکہ بخاری و مسلم میں حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے اعضاؤں سے آئے گی پس تم میں جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لیجائے صحیح مسلم میں ہے مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اُس کے وضو کا پانی پہنچا تھا۔

بِرُءُوْسِكُمْ میں جو "ب" ہے اس کا الصاق یعنی ملانے کے معنی میں ہونا تو زیادہ ظاہر ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لئے ہونا غور طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لئے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی پر عمل کرنا مناسب ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا آپ وضو کر کے ہمیں بتلائیے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا' پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو مرتبہ دھوئے' پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے' پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے' پھر اپنے دونوں پیر دھوئے (صحیحین) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ یہ احادیث دلیل ہیں اس پر کہ پورے سر کا مسح فرض ہے یہی مذہب حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کا بیان جانتے ہیں حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی۔ ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا جب آپ قضاء حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا میں لوٹا لے آیا آپ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا پھر کلائیوں پر سے کپڑا ہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی۔ الخ (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمد اور اُن کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سی مثالیں حدیثوں میں ہیں آپ صافے پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کر لے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو واللہ اعلم۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب اوّل ہے اور امام احمد رح اور اُن کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کرنے بیٹھتے ہیں اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی ڈالتے ہیں پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح

وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (بخاری و مسلم) سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انھوں نے اس حدیث سے دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو حدیثیں صحاح میں ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے اَرْجُلَكُمْ لام کے زبر سے عطف ہے وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ پر یا تحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ یوں ہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عروہ، حضرت عطاء، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مجاہد، حضرت ابراہیم، حضرت ضحاک، حضرت سدی، حضرت مقاتل بن حیان، حضرت زہری، حضرت ابراہیم تیمی وغیرہ کا یہی قول ہے اور یہی قرأت ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں کو دھونا چاہیئے، یہی فرمان سلف کا ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے صرف ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے جب بھی جائز ہے اس لئے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی۔ اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ "ف" ترتیب پر دلالت کرتی ہے آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم فَاغْسِلُوْا سے ہوتا ہے تو کم از کم منہ کا اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا اب اس کے بعد اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے جس میں خلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جبکہ "ف" تو تعقیب کے لئے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسرے کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے۔ پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت ترتیب پر نہ بھی ہو تاہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے نکلے تو آپ آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے خدا نے پہلے بیان فرمایا چنانچہ صفا سے سعی شروع کی۔ نسائی میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے خدائے تعالیٰ نے شروع کیا ہے اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہو اسے پہلے کرنا اور اس کے بعد کے جس کا ذکر بعد میں ہو کرنا واجب ہے۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جواب یہ دیتی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کے حکم اور پیروں کے دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا صاف دلیل ہے اس امر کی کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ اب دو صورتیں ہیں یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں تقدیم تاخیر ہو اور صحیح طور پر ترتیب نہ ہو وہ نماز نامقبول ہے لہٰذا ترتیب واجب و فرض ہوئی اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ وضو بلا ترتیب تھا پیر دھو لئے پھر کلی کر لی پھر مسح کر لیا پھر منہ دھو لیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے۔ آیت کے اس جملہ کی ایک قرأت اور بھی ہے۔

٭ یہ دعویٰ اجماع قطعاً غلط ہے تاوقتیکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں اتفاق منقول نہ ہو اجماع کہاں ہوگا؟ ۱۲ انظر شاہ ٭ جو ترتیب ہی کا قائل نہیں ان کے لئے یہ دلیل کارآمد نہ ہوگی اور ان کو اس طرح کیسے قائل کیا جا سکتا ہے ۱۲ انظر شاہ ٭ کاش کہ ابن کثیر حق کو ظاہر کرتے اور خود ہی بتاتے کہ اکثریت ان کی ہے جو ترتیب کو لازم نہیں مانتے یا ان کی جو ترتیب کیلئے مانتے ہیں ۱۲ انظر شاہ ٭ اگر یہی بحث ہے تو پھر وضو میں بہت سی متضاد صورتیں بھی امکان نکل آتے تھے حالانکہ ۱۲ کا قائل کوئی بھی نہیں ۱۲ انظر شاہ

وَ اَرْجُلِكُمْ لام کے زیر سے۔ اور اسی سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم ہوتا ہے چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انسؓ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے پس تلووں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انسؓ نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ۔ اور حضرت انسؓ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے انھیں بالکل بھگو لیا کرتے آپ ہی سے روایت ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ وضو میں دو چیزوں کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا۔ حضرت قتادہؒ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر، علقمہ، ابو جعفر محمد بن علی اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید اور ایک روایت میں مجاہدؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ حضرت عکرمہؒ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔ آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا اُن پر تو تیمم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں کے مسح کا حکم تھا تیمم کے وقت انھیں چھوڑ دیا گیا۔ عامرؒ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں آپ نے فرمایا جبرئیلؑ مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی زیادہ مبالغہ سے نہ دھونا ہے۔ کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے یاد رہے کہ زیر کی قرأت یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام جحر ضب خرب میں اور خدا کے کلام عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٍ وَّاِسْتَبْرَقٌ میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دیدینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اُس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں۔ بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھو لینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور حدیثوں میں بھی یہی ہے چنانچہ اب ہم انھیں بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ بیہقی میں ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے اور عصر تک لوگوں کے کام کاج میں مشغول رہے پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا اور دونوں ہاتھوں کا اور سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے کھڑے بچا ہوا پانی پی لیا۔ پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ اور فرمایا یہ وضو ہے اُس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو (بخاری) شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں اُن لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح کو اور دھونے کو دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریرؒ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انھوں نے احادیث کی بنا پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بنا پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے اُن کی تحقیق بھی صحیح نہیں۔ تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے سنتے رہتے ہیں تو اُن کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے۔ لیکن اس رگڑنے کے لئے لفظ مسح کا وہ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ سا ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل کے درمیان اس طرح جمع کر دی ہے حالانکہ دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے مؤخر ہو پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا۔ میں نے غور و فکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ عیاں ہو گیا ہے کہ امام صاحب دونوں قرأتوں میں جمع کرنا تلاش کر رہے ہیں۔ پس زیر کی قرأت یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دَلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرأت تو غسل پر یعنی دھونے پر ہے ہی پس وہ دھونے کو اور ملنے کو دونوں کو واجب کہتے ہیں تاکہ زیر اور زبر کی دونوں قرأتوں پر ایک ساتھ عمل ہو جائے۔ اب اُن حدیثوں کو سنئے جن میں پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضؓ، امیر المومنین حضرت علی رضؓ بن ابو طالب، حضرت ابن عباسؓ، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم، حضرت

مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا۔ ایک بار یا دو بار یا تین بار۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت دیر ہو گئی ہو چکا تھا ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر پانی بہانا شروع کر دیا تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو کو کامل اور پورا کرو ایڑیوں کو خرابی ہے آگ لگنے سے۔ ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے۔ (بیہقی و حاکم) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم کے برابر جگہ بے دھلی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کے لئے آگ سے (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی۔ مسند احمد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ وارد ہیں۔ ابن جریر میں دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے راوی حضرت امامہؓ فرماتے ہیں پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف و وضیع ایسا نہ تھا جو اپنی ایڑیوں کو موڑ موڑ کر نہ دیکھتا ہو۔ اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر ایک درہم کے خشکی رہ گئی تھی تو یہی فرمایا پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی کی خشک رہ جاتی تو وہ پورا وضو دوبارہ کرتا۔ پس ان حدیثوں سے ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وعید سے اور وہ بھی آتش جہنم کی وعید سے نہ ڈراتے۔ اس لئے کہ مسح میں خود ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہے جو اور چیزوں کے مسح کی ہوتی ہے یہی ہیں ابن جریرؒ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہیں صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اُس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپ نے نماز میں دیکھا کہ اُس کے پیر میں بقدر درہم جگہ خشک رہ گئی ہے تو اُسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔ حضرت عثمان رضؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ جو روایت ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔ سُنن میں ہے حضرت صبرہ رضؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وضو کامل اور اچھا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو روزے کی حالت میں ہو تو اور بات ہے۔ مسند مسلم وغیرہ میں ہے حضرت عمرو بن عبسہ رضؓ کہتے ہیں یا رسول اللہ مجھے وضو کی بابت خبر دیجئے؟ آپ نے فرمایا جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے اُس کے مُنہ سے اور نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جب کہ وہ ناک جھاڑتا ہے پھر جب وہ مُنہ دھوتا ہے جیسا کہ خدا کا حکم ہے تو اُس کے مُنہ کی خطائیں ڈاڑھی اور ڈاڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے کہنیوں سمیت تو اُس کے ہاتھوں کے گناہ اُس کی پوریوں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں پھر وہ مسح کرتا ہے تو اُس کے سر کی خطائیں اُس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں۔ پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت مطابق حکم خداوندی دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اُس کے پیروں کے گناہ بھی دُور ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثنا ہے اُسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے آج وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سُن کر حضرت ابو امامہ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضؓ سے کہا خوب غور کر لیجئے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے اسی طرح سُنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمرو نے جواب دیا کہ ابو امامہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں، میری موت قریب آپہنچی ہے۔ مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں تین دفعہ نہیں میں نے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سُنا ہے۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی دوسری حدیث میں ہے پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ خدا نے اُسے حکم دیا ہے پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن کا حکم

طلب دیکھتے تھے کہ پیچھے بھی پانی پہنچ گیا یا نہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری ✦

پیروں کے دھونے کا ہے ابو اسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ سے بواسطہ حضرت حارث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم کو حکم دیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لئے اس سے مراد جوتیوں میں ہی بلا مبالغہ دھونا ہے اور چپل جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر دُھل سکتا ہے۔ غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے البتہ اس سے دھواسی اور وہمی لوگوں کا رد ہوتا ہے جو حد سے گذر جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ دوسری حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کے کوڑی ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کر لیا لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے روایت ہے اور اُن میں ہے کہ آپ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا اور ان میں اس طرح جمع بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور اُن پر نعلین تھے اور اُن دونوں پر آپ نے مسح کر لیا۔ یہی مطلب اُس حدیث کا بھی ہے۔ مسند احمد میں اوس بن ابو اوس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ یہی روایت دوسری سند سے ہے اُس میں آپ کا کوڑی پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے۔ امام ابن جریر اسے لائے ہیں۔ پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول ہے اس پر کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا۔ بھلا کوئی مسلمان اسے کیسے قبول کر سکتا ہے کہ خدا کے فریضے میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تعارض ہو خدا کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں؟ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے جس کے کان تک یہ دلیلیں پہنچ جائیں اُس پر خدا کی حجت پوری ہو گئی۔ چونکہ زبر کی قرأت سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرأت کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے۔ گو ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اُس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کا خلاف ثابت ہے اور جن کا بھی یہ قول ہے اُن کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا صحیحین میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا اُن سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیم فرماتے ہیں لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی۔ اس لئے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا اسلام ہی سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا تھا۔ احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے رافضیوں نے اس میں بھی خلاف کیا ہے اور اس کی کوئی دلیل اُن کے پاس نہیں صرف جہالت اور ضلالت ہے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے لیکن روافض اسے نہیں مانتے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے لیکن تاہم شیعہ اُسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیہ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متواتر حدیثوں سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ وللہ الحمد۔ اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا کعبین کے بارے میں بھی اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت پر وہ ہے۔ پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان اُبھری ہوئی ہیں وہ کعبین ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جن کعبین کا یہاں ذکر ہے یہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو اِدھر اُدھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں ایک ہی قدم میں کعبین ہیں لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو کعبین سمیت دھو یا پھر بائیں کو بھی اسی طرح بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داؤد میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو تین بار یہ فرما کر فرمایا قسم خدا کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی حدیث فرماتے ہیں پھر تو یہ حال ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنا اور مونڈھے سے مونڈھا

ملایا کرتا تھا اس روایت سے صاف معلوم ہوگیا کہ کعبین اُس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اُس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں۔ بلکہ یہ وہی دو اُبھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمہ پر ہیں اور یہی مذہب اہلِ سُنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تیمی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کیے گئے تھے اُنھیں میں نے دیکھا تو اُن کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا یہ انھیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفتِ حق کا اور کتمانِ حق کا بدلہ دیا گیا اس کے بعد تیمم کی صورتیں اور تیمم کا طریقہ بیان ہوا ہے اُس کی پوری تفسیر سورۂ نساء میں گذر چکی ہے۔ لہٰذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیتِ تیمم کا شانِ نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے متعلق ایک حدیث ذکر کی ہے اُسے سُن لیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گم پڑا ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے اتنے میں میرے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھے کچو کے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو اس خیال سے میں ہلی نہیں۔ حضور جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہوگیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی حضرت اُسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے اے آلِ ابو بکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے تم اُن کے لئے سراپا برکت ہو پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا اسی لئے اپنے دین کو سہل، آسان اور ہلکا کر رہا ہے بوجھل، سخت اور مشکل نہیں بناتا حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسّر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے۔ باقی احکام احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں بلکہ خدا کی خواہش یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اُس کی شکر گذاری۔ اُس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اُس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔ مسند، سنن اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں۔ میں جب وہاں پہنچ گیا اُس وقت میں نے آپ سے یہ سُنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجّہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اُس کے لئے جنّت واجب ہے میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سُن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ مجھ سے فرمانے لگے تم ابھی آئے ہو تمہارے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اُس کے لئے جنّت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ اور روایت میں ہے کہ جب ایمان و اسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے اُس کے منہ دھوتے ہوئے اُس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پاؤں کی تمام خطائیں دُھل کر وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ ابن جریر میں ہے جو شخص وضو کرے اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو ان سے اُن کے گناہ دُور ہو جاتے ہیں، منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں، سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے پیر کا دھونا اُن کے گناہ دھو دیتا ہے۔ دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ ابن جریر میں ہے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اُس کے کانوں سے، آنکھوں سے، ہاتھوں سے، پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔ صحیح مسلم شریف میں ہے وضو آدھا ایمان ہے الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا پُر ہو جاتا ہے قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے۔ ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے تئیں آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر گذرتا ہے۔ اور حدیث میں ہے مالِ حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے (صحیح مسلم) یہ روایت ابو داؤد طیالسی، مسند احمد، ابو داؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ میں بھی ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ز

اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو اور اس کے عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

اور اللہ تم سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں تک کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے لیے پوری پابندی کرنے والے

لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ

انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہوجاوے کہ تم عدل نہ کرو عدل کیا کرو کہ وہ تقوے سے زیادہ

لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی پوری اطلاع ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لے آئے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٩﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ

انھوں نے اچھے کام کیے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور ثواب عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتلادیا ایسے لوگ

أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا

دوزخ میں رہنے والے ہیں اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے جب کہ ایک قوم اس فکر میں تھی کہ تم پر

ع ۲ إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

دست درازی کریں سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر نہ چلنے دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہیے۔

شکر نعمت

اس دین عظیم اور اس رسول کریم کو بھیج کر جو احسان خدا تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے اُسے یاد دلا رہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی انہیں ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے خدا کے پیغمبر کی تابعداری اور امداد کرنے دین پر قائم رہنے اسے قبول کر لینے اسے دوسروں تک پہنچانے کا کیا ہے اسلام لانے کے وقت اسی چیز کا ہر مومن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہؓ کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی کہ ہم آپکی بات سنینگے اور مانینگے خواہ طبیعت چاہے یا نہ چاہے، خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو نہیں چھینینگے باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور انھوں نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے اگر تمہیں یقین ہو یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلائی جا رہی ہے کہ تم نے حضورؐ کی تابعداری کے قول و قرار ہو چکے ہیں پھر آپ کے نہ ماننے کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی پیٹھ سے انکی ذریت نکال کر جو عہد خدائے رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا اُسے یاد دلایا جا رہا ہے جو فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اس پر گواہ ہیں لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے یہی سدیؒ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے اور امام ابن جریرؒ نے بھی اسی کو مختار بتلایا ہے ہر حال میں انسان کو خوف خدا رکھنا چاہیئے دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے، ایمان والو لوگوں کے دکھانے کو نہیں بلکہ خدا کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ سچے گواہ بنجاؤ صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں تو اُس وقت تک مطمئن نہیں ہونے کی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ نہ بنالو میرے باپ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی دوسری اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اپنی اولاد میں عدل کیا کرو جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا پھر فرمایا دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آکر عدل سے نہ ہٹ جانا دوست ہو یا دشمن ہو تمہیں

عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیئے تقوے سے زیادہ قریب یہی ہے ھُوَ کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کردی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں اور کلام عرب میں بھی ہیں اور جگہ ہے وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور نہ ملے بلکہ کہا جاوے کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس چلے جاؤ یہی تمہارے لئے پاکیزگی کا باعث ہے پس یہاں بھی ھو کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر اَقْرَبُ افعل التفضیل کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں جیسے اس آیت میں ہے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا اور جیسے کسی صحابیہؓ کا حضرت عمرؓ سے کہنا کہ اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اللہ سے ڈرو وہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے خیر و شر کا پورا پورا بدلہ دیگا وہ ایمان والوں نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کرچکا ہے گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل خداوندی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے، پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف و ستائش خدا ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل و رحم ہے حکمت و عدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور آیات اللہ کی تکذیب کرنے والوں کو جہنم رسید کیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوگا۔

ایک واقعہ

پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ایک منزل میں اترے لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے آپؐ نے اپنے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لگا دیئے ایک اعرابی نے آکر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپؐ نے فوراً جواب دیا کہ اللہ عزوجل، اس نے پھر یہی سوال کیا آپؐ نے پھر یہی جواب دیا تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی اب آپؐ نے صحابہؓ کو آواز دی اور جب وہ آگئے تو آپؐ نے ان سے سارا واقعہ کہہ سنایا، اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپؐ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا قتادہؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضورؐ کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو گھات میں بھیجا تھا لیکن خدا نے اسے ناکام اور نامراد رکھا فالحمد للہ۔ اس اعرابی کا نام صحیح حدیثوں میں غورث بن حارث آیا ہے ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو قتل کے ارادے سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی لیکن خدا نے آپ کو علم کرا دیا اور آپ بچ رہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا ابن اسحاقؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جبکہ آپ عامری لوگوں کی دیت۔ لینے کے لئے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرو بن حجاش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم تو حضورؐ کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کرلیں گے تو اوپر سے پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا لیکن راستہ ہی میں خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان کی شرارت و خباثت سے آگاہ کر دیا آپ مع اپنے صحابہؓ کے وہیں سے لوٹ گئے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے کفایت کرنے والا حفاظت کرنے والا وہی ہے اس کے بعد حضورؐ بہ حکم خدا بنو نضیر کی طرف مع لشکر کے گئے محاصرہ کیا وہ ہارے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے

اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ

یوں فرما دیا کہ میں تمہارے پاس ہوں اگر تم نماز کی پابندی کرو گے اور زکوۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے

أَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن

اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پہ قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِم

جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور جو شخص اس کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بے شک راہِ راست سے دور جا پڑا　　تو صرف انکی عہد شکنی کی

مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا

وجہ سے ہم نے انکو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے اُن کے قلوب کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ انکو نصیحت کی گئی تھی

بِهِ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

اسمیں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپکو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے بجز ان میں کے معدودے چند شخصوں کے سو آپ انکو معاف کیجئے

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا

لوگوں سے محبت کرتا ہے　اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے اُن سے بھی اُن کا عہد لیا تھا سو وہ بھی جو کچھ اُن کو نصیحت کی گئی تھی اسمیں سے اپنا ایک بڑا حصہ فوت

بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾

کر بیٹھے تو ہم نے انمیں باہم قیامت تک کے لئے بغض و عداوت ڈال دیا　اور ان کو اللہ تعالیٰ اُن کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

بنی اسرائیل سے کچھ وعدے

اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفاداری کا حق پر قائم رہنے کا عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا ساتھ ہی اپنی ظاہری باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا تو اب ان آیتوں میں ان سے پہلے کے اہلِ کتاب سے عہد و میثاق جو لیا تھا اُس کی حقیقت کو بیان فرما رہا ہے پھر جبکہ انھوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے اُن کے بارہ سردار تھے یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چودھری تھے جو ان سے انکی بیعت کو پوری کراتے تھے کہ یہ خدا رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لئے گئے تب ہر قبیلے میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے ادبیل قبیلہ کا سردار شامون بن اکون تھا اور شمعونیوں کا چودھری شافاط بن حدی اور یہوداہ کا کالب بن یوفنا۔ اور میخائیل کا ابن یوسف۔ اور افرائیم کا یوشع بن نون اور بنیامین قبیلے کا چودھری فنطمی بن رفون۔ اور زبولون کا جدی بن سوری۔ اور منشا کا جدی بن سوسی۔ اور دان کا حملاسیل کا ابن سحل اور اشار کا ساطور۔ نفتالی کا بحر۔ اور لیساخر کا لابل۔ توراۃ کے چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔ موجودہ توراۃ میں نام یہ ہیں۔ بنو ادبیل پر صونی بن سادون۔ بنی شمعون پر شموال بن صور۔ بنی یہودا پر حشون بن عمیاذاب۔ بنی یساخر پر شال بن صاعون۔ بنی زبولون پر الیاب بن حالوب۔ بنو افرائیم پر منشا بن عنہود۔ بنو منشا پر حمائیل۔ بنو بنیامین پر ابیدن۔ بنو دان پر جعیذر۔ بنو اشار پر نحایل۔ بنو کان پر سیف بن دعوایل۔ بنو نفتالی پر اجذع۔ یہ یاد رہے کہ لیلۃ العقبہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار سے بیعت لی اُسوقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے تین قبیلہ اوس کے حضرت اسید بن حضیر حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعض روایتوں میں انکے بجائے حضرت ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے ابو امامہ اسعد بن زرارہ سعد بن ربیع عبد اللہ بن رواحہ۔ رافع بن مالک بن عجلان براء بن معرور عبادہ بن صامت سعد بن عبادہ۔ عبد اللہ بن عمرو حرام۔ منذر بن عمر بن خنیش رضی اللہ عنہم اجمعین یہی سردار اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملنے اور ماننے کی بیعت کی حضرت مسروق فرماتے ہیں ہم لوگ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے آپ ہمیں اسوقت قرآن پڑھا رہے تھے جو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور سے یہ بھی پوچھا کہ اس امت کے

کتنے خلیفہ ہونگے؟ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا ہم نے حضور علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا بارہ ہوں گے جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی یہ روایت سنداً غریب ہے لیکن مضمون حدیث بخاری مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے لوگوں کا کام چلتا رہیگا جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہولیں پھر ایک لفظ حضورؐ نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضورؐ نے اب کونسا لفظ فرمایا انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب قریش ہونگے صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہونگے جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے ہونگے بعد دیگرے ہی ہوں۔ پس چار خلیفہ تو پے در پے ہوتے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم جن کی خلافت بطریق نبوت رہی انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے

امام مہدی

اور انہی میں سے حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کی بشارت حدیثوں میں آچکی ہے اُن کا نام حضورؐ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضورؐ کے والد پر ہوگا زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پُر ہوگی۔

شیعوں کے توہمات

لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں، اسکی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے بلکہ یہ تو صرف شیعوں کی وہم پرستی اور انکا تخیل ہے۔ نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے ائمہ مراد ہیں اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو انکی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے توراۃ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ انکی نسل میں بارہ بڑے شخص ہونگے اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی حکمراں ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے اور تھا ان کا اسلام ناقص اور ساتھ ہی جاہل بھی تھے انھوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونکدیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں ورنہ حدیثیں اس کے صاف خلاف موجود ہیں اب یہاں عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں، زکوٰۃ دیتے رہیں خدا کے رسولوں کی تصدیق کریں انکی نصرت و اعانت کریں اور خدا کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں جب وہ یہ کریں گے تو خدا کی مدد و نصرت انکے ساتھ رہے گی۔ ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتیوں میں داخل کئے جائیں گے مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد بھی پھر گئے اور اسے غیر معروف بھی کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے بھٹک اور بہک جائیں گے، چنانچہ یہی ہوا کہ انھوں نے میثاق توڑ دیا وعدہ خلافی کی تو ان پر لعنت خدا نازل ہوئی ہدایت سے دور ہو گئے دل کے سخت ہو گئے وعظ و پند سے مستفید نہ ہو سکے سمجھ بگڑ گئی۔ خدا کی باتوں میں تاویلات کرنے لگے اور باطل تاویلیں گھڑنے لگے جو مُراد حقیقی تھی اس سے کلام اللہ کو پھیر کر اور ہی مطلب سمجھنے سمجھانے لگے اور خدا کا نام لیکر وہ وہ مسائل بیان کرنے لگے جو خدا کے بتلائے ہوئے نہ تھے یہاں تک کہ خدا کی کتاب انکے ہاتھوں سے چھوٹ گئی وہ اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے دین کی اصل جب انکے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے نہ فطرت اچھی رہی نہ خلوص و اخلاص رہا غداری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنا لیا نت نئے جال نبیؐ اور اصحاب نبیؐ کے خلاف بنتے رہے پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجئے یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو تجھ سے خدا کے فرمان کے خلاف معاملہ کرے تو اس سے حکم خدا کی بجا آوری کے ماتحت کر۔ اسمیں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے کہ انکے دل حق کی طرف مائل ہو جائیں، ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آجائیں اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کرکے خود نیک سلوک رکھنے والے خدا کے محبوب ہیں حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں۔ درگزر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئیگا یہ اس پر ایمان لائیں گے اسکی مدد کریں گے اور اس کی

باتیں مانیں گے لیکن انھوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی جسکی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈالدی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسروں کو کافر ملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادتخانوں میں بھی نہیں آنے دیتے ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقے کو اور یعقوبیہ فرقہ ملکیہ فرقے کو کھلے بندوں کافر کہتا ہے اسی طرح دوسرے تمام فرقے انھیں ان کے اعمال پر پوری تنبیہ عنقریب ہوگی انھوں نے بھی خدا کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور خدا کے ذمے تہمتیں لگائی ہیں اسکی بیوی اور اولاد قائم کی ہے یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے اللہ تعالیٰ واحد فرد وصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَ

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آئے ہیں کتاب میں سے جن امور کا تم اخفا کرتے ہو اُن میں سے بہت ہی باتوں کو تمہارے سامنے

يَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ (۱۵) يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ

صاف صاف کھولدیتے ہیں اور بہت سے امور کو درگذاشت کر دیتے ہیں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ

اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۱۶)

ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور انکو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور انکو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔

بعثت نبوی اور اہل کتاب کا فرض

فرماتا ہے کہ رب العلیٰ نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیجا ہے معجزے اور روشن دلیلیں انھیں عطا فرمائی ہیں جو باتیں یہود ونصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنالئے تھے اور خدا کی ذات پر بہتان باندھتے تھے کتاب اللہ کے جو حصے اپنی خواہشات کے خلاف پاتے تھے انھیں چھپالیتے تھے اُن سب کو یہ رسول ظاہر کرتے ہیں ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو یہ بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا اس نے قرآن سے انکار کیا چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ اسی نے اس نبی کریم پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے جو جویائے حق کو سلامتی کی راہ بتلاتی ہے لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لیجاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبری اس کتاب کی وجہ سے خدا کے انعاموں کو حاصل کرلینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہوگیا ہے یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کردینے والی ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ

بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مسیح ابن مریم ہے آپ یوں پوچھئے اگر ایسا ہے تو یہ بتلاؤ کہ اگر

اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ

اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے زمین میں ہیں اُن سب کو ہلاک کرنا چاہیں تو کوئی ایسا شخص ہے جو خدا سے انکو ذرا بھی بچا سکے اور اللہ ہی کی

مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۷) وَقَالَتِ

ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں اور جس چیز کو چاہیں پیدا کردیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے اور یہود

الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۖ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ ۚ

اور نصاریٰ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں آپ یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض عذاب کیوں دیں گے بلکہ تم بھی منجملہ اور مخلوقات

يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ (۱۸)

کے ایک معمولی آدمی ہو اللہ تعالیٰ جسکو چاہیں گے بخشیں گے اور جسکو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کے لئے ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

عیسٰی علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا کفر ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انھوں نے خدا کی مخلوق کو خدائی کا درجہ دے رکھا ہے

خدائے تعالیٰ شرک سے پاک ہے تمام چیزیں اسی کی محکوم اور مقدور ہیں ہر چیز پر اسکی حکومت اور ملکیت ہے کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرأت کر سکے وہ اگر مسیح کو ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آگے آئے اسے روک سکے تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے سب کا خالق اور سب کا حکمران وہی ہے جو چاہے کر گذرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں ہے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے اسکی عظمت و عزت بہت بلند ہے وہ عادل و غالب ہے جس طرح چاہتا بناتا ہے بگاڑتا ہے اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انھوں نے خدا پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور وہ خدا کے لاڈلے فرزند ہیں اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے اسرائیل کو کہا ہے اَنْتَ اِبْنِیْ بِکْرِیْ پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ خدا کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی خدا کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود انہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انھیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف عظمت ثابت ہوتی ہے نہ کہ قرابت داری۔ اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسٰیؑ نے فرمایا اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَ اَبِیْکُمْ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں خدا کے لئے یہ لفظ بھی آتا تھا پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور یہ معنی اس اور ظاہر ہو رہے ہیں کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسٰیؑ کی طرف ہے وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسٰیؑ کو خدا سے جو نسبت دیتے ہیں اس نسبت پر اپنے تئیں نہیں سمجھتے پس یہ لفظ عزت و وقعت کے لئے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انھیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب بہتان و افتراء پر خدا تمہیں سزا کیوں کرتا ہے۔ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرما دی یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحاب کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گذر رہے تھے ایک چھوٹا سا بچہ راہ میں کھیل رہا تھا اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آ رہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھا لیا اس پر صحابہؓ نے کہا حضور یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی آگ میں نہیں ڈال سکتی۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائیگا یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے وہ جو چاہے کر گزرتا ہے اس کا کوئی حکم رد نہیں کر سکتا وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملک ہے اس کے دباؤ میں ہے اس کی بادشاہت تلے ہے سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے وہی بندوں کا فیصلہ کرے گا وہ ظالم نہیں عادل ہے نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا نعمان بن آصا بحر بن عمر، شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے درجے کے علماء تھے حضورؐ کے پاس آئے آپؐ نے انھیں سمجھایا بجھایا اور آخر میں عذابوں سے ڈرایا تو کہنے لگے سنئے حضرت آپ ہمیں کیا ڈرا رہے ہیں ہم تو اللہ کے بچے اور اس کے پیارے ہیں یہی نصرانی بھی کہتے تھے پس یہ آیت اتری۔ ان لوگوں نے یہ ایک بات بھی گھڑ کر اپنے آپس میں مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلوٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی اس مدت میں آگ انھیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں وہ نکل آئیں یہی معنی ہیں ان کے اس

قول کے جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے یہ رسول آ پہنچے ہیں جو کہ تم کو صاف صاف بتلاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں

الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ

کا سلسلہ موقوف تھا تاکہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس کوئی بشیر اور نذیر نہیں آیا۔ سو تمہارے

جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۹)

پاس بشیر اور نذیر آ چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

آپ کی بعثت کے بعد کوئی عذر مسموع نہ ہوگا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کرکے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیجا جو خاتم الانبیاء ہیں اور جن کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں یہ سب کے بعد ہیں دیکھو حضرت عیسیٰ کے بعد اب تک کوئی رسول نہیں آیا۔ فترت کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچسو برس کی بعض کہتے ہیں پانچسو چالیس برس کی کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس ۹۳۳ سال کا فاصلہ تھا لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا ان دونوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ سال کا فرق پڑ جاتا ہے اسی لئے اہل کہف کے قصے میں ہے، وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو برس اور زیادہ پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی وہ تین سو سال کی تھی نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ سے جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جو علی الاطلاق خاتم النبیین تھے فترت کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے حضور فرماتے ہیں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور سب لوگوں کے زیادہ اولیٰ ہوں اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو خیال کرتے ہیں کہ دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گذرے ہیں جن کا نام خالد بن سنان تھا جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے بیان کیا مقصود یہ ہے کہ خاتم الانبیاء حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جب کہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں دنیا توحید کو بھلا چکی ہے جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے سورج، چاند، بت، آگ پوجی جا رہی ہے خدا کا دین بدل چکا ہے کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے عدل و انصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے جہالت و عداوت کا دور دورہ ہے بجز چند نفوس کے خدا کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت و عزت خدا کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو خدائی رسالت ادا کی وہ کوئی معمولی رسالت نہ تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم واقف نہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں فرمایا ہے میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لئے حلال کیا ہے میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انھیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انھیں کہتا ہے کہ میرے ساتھ بے دلیل شرک کریں سنو، اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب و عجم کو ناپسند فرمایا بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم رہے) پھر (مجھ سے) فرمایا میں نے تجھے اسی لئے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کر لوں

میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا
کہ میں قریشیوں میں پیغامِ حق پہنچاؤں میں نے کہا خدایا یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنا دیں گے پروردگار نے فرمایا تو انھیں
نکال جیسے انھوں نے تجھے نکالا تو اُن سے جہاد کر تیری امداد کی جائیگی تو ان پر خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائیگا تو ان کے مقابلہ پر لشکر
بھیج ہم اُس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے اپنے فرمانبرداروں کو لیکر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر۔ جنتی لوگ تین قسم کے ہیں بادشاہ
عادل توفیقِ خیر والا، صدقہ خیرات کرنے والا اور رحم دِل ہر قرابت دار مُسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا اور باوجود مفلس
ہونے کے حرام سے بچنے والا۔ حالانکہ اہل وعیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں وہ سفلے لوگ جو بے دین خوشامد پسند
اور ماتحت ہیں جن کے آل اولاد۔ دھن دولت نہیں اور وہ خائن لوگ جن کی نظر چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتی ہے
اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے۔ اور وہ لوگ جو صبح شام لوگوں کو اُن کے اہل ومال میں دھوکہ دیتے
پھرتے ہیں اور بخیل یا فرمایا کذاب۔ اور شنظیر یعنی بدگو۔ یہ حدیث مُسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ مقصود یہ ہے
کہ حضور ص کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا پر نہ تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے
نکال کر اُجالے میں اور راہِ راست پر لا کھڑا کیا اور انھیں روشن وظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لئے کہ لوگوں کا
عذر ختم ہو جائے۔ انھیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا ہمیں نہ تو کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا
نہ ڈرایا پس کامل قدرتوں والے خدا نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کیلئے بھیجا وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ

اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ ع نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے

وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ (۲۰) يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ

تم میں بہت سے پیغمبر بنائے اور تمکو صاحب مُلک بنایا اور تمکو وہ چیزیں دیں جو دُنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔ اے میری قوم اس متبرک ملک میں

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ (۲۱)

داخل ہو کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے اور پیچھے واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن

کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی ہیں اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نہ نکل جائیں۔ ہاں اگر

يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ (۲۲) قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا

وہ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو ہم بیشک جانے کو تیار ہیں۔ ان دو شخصوں نے جو کہ ڈرنے والوں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا

ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا

کہا کہ تم ان پر دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آجاؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو اگر تم

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۲۳) قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ

ایمان رکھتے ہو۔ کہنے لگے اے موسیٰ ہم تو ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ تو آپ اور

أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ (۲۴) قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ

آپ کے اللہ میاں چلے جائیے اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔ موسیٰ ع دعا کرنے لگے اے میرے پروردگار

إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَإِنَّهَا

اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ اختیار رکھتا ہوں سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ ارشاد ہوا تو

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿۲۶﴾ ع

یہ ملک ان کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگیگا یوں ہی زمین میں سر مارتے پھرتے رہیں گے، سو آپ اس بے حکم قوم پر غم نہ کیجئے۔

رکوع ۷ العشر

نبوت اور سلطنت خدا کے دو انعام ہیں

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خدا کی نعمتیں یاد دلاکر اطاعت خدا کی طرف مائل کیا تھا یہاں اسی کا بیان ہے فرمایا لوگو خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے مسلسل نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد انہی کی نسل میں نبوت رہی یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید و اتباع دیتے رہے یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ پر ختم ہوا، پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت کاملہ عطا ہوئی آپ حضرت اسمٰعیلؑ کے واسطے سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے خدا آپ پر درود و سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا یعنی خادم دئے، بیویاں دیں، گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں کہا گھر بھی ہے؟ کہا ہاں کہا پھر تو تو غنی ہے اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں ہے حسن بصریؒ فرماتے ہیں سواری اور خادم ملک ہے بنی اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے بقول قتادہؒ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم، سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا ایک اور مرفوع حدیث میں ہے جس کا گھر ہو اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے یہ حدیث مرسل اور غریب ہے ایک حدیث میں آیا ہے جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو، اس کا نفس امن و امان میں ہو دن بھر کفایت کرے اتنا مال بھی ہو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آگئی اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے ان سے یہ اشرف و افضل بنا دئے گئے تھے اور آیت میں ہے ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب حکم نبوت پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی حضرت موسیٰؑ سے جب انھوں نے مشرکوں کو دیکھا دیکھی خدا بنانے کو کہا اس کے جواب میں موسیٰؑ نے خدا کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ ایک یہ حقیقت ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے شرعی حیثیت سے بھی اور احکامی حیثیت سے بھی، کیا نبوت کی حیثیت سے، کیا پادشاہت عزت مملکت دولت حشمت مال، اولاد وغیرہ کی حیثیت سے خود قرآن فرماتا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ الخ اور فرمایا وَجَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ ہی فضیلت میں امت محمدی کو شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض امور میں انھیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من و سلویٰ کا اترنا بادلوں سے سایہ دینا وغیرہ وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں یہ قول تو اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انھیں فضیلت دیا جانا ہے واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضہ میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام

کے پاس مصر میں چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جمائے بیٹھی تھی وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو، خدا تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے، مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے ایک روایت میں ہے اریحا، کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ نہ تو اریحا کا فتح کرنا مقصود تھا نہ وہ ان کے راستہ میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آرہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرق رخ تھا، اللہ نے اسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے با ایمان لوگوں کے ورثہ میں آئیگی تم اپنی پیٹھوں کو نہ پھیرو یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے، وہ جواب دیتے ہیں کہ جس شہر میں جانے کو اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کو آپ فرما رہے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپ کی حکم برداری ہماری طاقت سے باہر ہے ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحا کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحا میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوف زدہ ہو گئے ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آگیا وہ پھل توڑتا ہوا ان کے نشانِ قدم ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جاکر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال دی جسمیں یہ سب کے سب تھے بادشاہ نے انہیں کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا میں تمہیں قتل نہیں کرتا جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے کہدو چنانچہ انہوں نے جاکر سب حال بیان کیا جس سے بنی اسرائیل رعب میں آگئے لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ان میں سے ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں ان کی گٹھڑی باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا انہوں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰؑ کی قوم کے لوگ ہیں ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہدو کہ یہ ہمارے میوے ہیں انہوں نے جاکر قوم سے سب حال کہدیا اب حضرت موسیٰؑ نے انہیں جہاد کا اور شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہدیا کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور لڑیں ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں حضرت انسؓ نے ایک بانس لیکر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا پھر اسے گاڑ کر فرمایا ان عمالیق کے قد اس قدر لانبے تھے، مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے ایسے موٹے اور اس قدر لانبے تھے۔

عوج بن عنق

ان ہی میں عوج بن عنق بن حضرت آدمؑ تھا جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں انکے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے بلکہ یہ حدیث صحیح کے خلاف بھی ہیں حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساٹھ ہاتھ کا پیدا کیا تھا پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں نہ بیٹھا تھا لیکن تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا یہ بھی محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے، قرآن کریم میں نوح نبی علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ باقی رکھ یہ دعا قبول ہوگئی اور یہی ہوا بھی۔ قرآن فرماتا ہے کہ ہم نے نوحؑ کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی اور سب کافروں کو غرق کر دیا خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمتِ خدا ہو کوئی بھی بچنے کا نہیں۔ تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا نہ بچ سکے لیکن

عوج بن عنق کا فرولد الزنا بچ رہے یہ بالکل عقل ونقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی کی نہیں مانتے بلکہ اُن کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر خدا کا انعام واکرام تھا وہ انھیں سمجھاتے ہیں ان کے دلوں میں خوفِ خدا تھا وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذابِ خدا نہ آجائے ایک قرأت میں یخافون کے بدلے یُخافُونَ ہے اس سے مُراد یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت وعظمت تھی ایک کا نام یوشع بن نون تھا دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا انھوں نے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کردے گا اور وہ خود تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤگے تم دروازے تک تو چلے چلو یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن ان نامردوں نے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے یہ دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انھیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انھوں نے پتھروں سے شہید کر دیا۔

ایک طوفانِ بدتمیزی شروع ہوگیا اور بے طرح مخالفتِ رسولؑ پر تل گئے انکے اس حال کو سامنے رکھکر پھر صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کافر اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے چلے، قافلہ تو دوسرے راستہ سے نکل گیا لیکن انھوں نے اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رُخ کیا، ادہر حضورؐ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپؐ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتلاؤ اب کیا کرنا چاہئیے اللہ ان سب سے خوش رہے انھوں نے حضورؐ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے زن وفرزند سب رکھدئے اور کہا حضورؐ مالک ہیں ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبہ کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں بلکہ حضورؐ کے فرمان کے منتظر ہیں سب سے پہلے حضرت صدیقؓ نے اس قسم کی گفتگو کی پھر مہاجرین صحابہؓ میں سے بہت سوں نے اسی قسم کی تقریر کی لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا اور صاحب بھی اپنا ارادہ ظاہر کریں آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے

اس پر سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے شاید آپ کا ارادہ ہماری منشا معلوم کرنے کا ہے سنیئے یا رسول اللہ! قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کرکے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ بے پس وپیش اس میں کود جائیں گے، آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہوگا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے۔ حضورؐ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں شوق سے لے چلئے آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں آپ جان لیں گے کہ ہم خدا کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں آپ اللہ کا نام لیجئے اُٹھ کھڑے ہوجئے ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ سُن کر خدا کے رسولؐ خوش ہوگئے اور آپ کو انصارؓ کی باتیں بہت ہی اچھی معلوم ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم۔ ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپؐ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا حضرت عمرؓ نے کچھ کہا پھر انصار بولے کہا کہ اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں تو سنیئے ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ کہدیں آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ خدا کی مدد لیکر جہاد کے لئے چلئے ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں حضرت مقداد انصاری رضؓ نے بھی کھڑے ہوکر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقداد رضؓ کے اس قول سے اللہ کے رسولؐ خوش ہوگئے انھوں نے کہا تھا کہ حضورؐ لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہوں گے کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسولؐ کو اس قدر خوش کرسکتا ایک روایت میں حضرت مقداد رضؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن کا ہے جب کہ مشرکین نے آپکو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستہ میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ

نہ پہنچ سکے تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لیکر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم صحابِ موسیٰ کی طرح نہیں یہ اُن ہی سے ہو سکا کہ اپنے نبی سے کہدیا کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ آپ چلئے خدا کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں یہ سن کر اور صحابہؓ نے بھی اسی طرح جاں نثاریوں کے وعدے کرنے شروع کردئے پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہ فرمایا ہو واللہ اعلم ؎۔ حضرت موسیٰؑ کو یہ سُنکر اپنی اُمت پر بہت غصہ آیا اور خدا کے سامنے اُن سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے تو اب میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما، جناب باری نے اس دُعا کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ اب یہ چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے وادیٔ تیہ میں حیران و سرگرداں پھرتے رہیں گے کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جاسکتے تھے

عجائبات

یہاں اُنہوں نے عجیب و غریب خلافِ عادت اُمور دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا، من و سلویٰ کا اُترنا ایک ٹھوس پتھر سے جو اُن کے ساتھ تھا پانی کا نکلنا حضرت موسیٰؑ نے اُس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اُس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہوگئے اور ہر قبیلہ کی طرف ایک چشمہ بہ نکلا اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنی اسرائیل نے وہاں پر دیکھے، یہیں تورات اُتری یہیں احکام خدا نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ، اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے نکل جانے کی انھیں نہیں ملی، ہاں ابر کا سایہ ان پر کردیا گیا اور من و سلویٰ اُتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباس رضؓ سے یہ مروی ہے پھر حضرت ہارونؑ کی وفات ہوگئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبیؑ بنائے گئے اس اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشعؑ اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سَنَةً پر وقف تام کرتے ہیں اور اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل يَتِيْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ کو بتلاتے ہیں اس چالیس سالہ مدت کے گذر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے انھیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے بہت سے بھی باقی بنو اسرائیل اُن کے ساتھ ہو لئے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آپہنچا دشمنوں کے قدم اُکھڑ گئے اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبیؑ نے فرمایا اے سورج تو بھی خدا کا غلام ہے اور میں بھی خدا کا محکوم ہوں اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے چنانچہ خدا کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کرلیا۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل سے کہدو اس شہر کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جائیں اور حِطَّةٌ کہیں یعنی خدایا ہمارے گناہ معاف فرما لیکن انھوں نے خدا کے حکم کو بدل دیا رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے حَبَّةٌ فِیْ شَعْرَةٍ کہتے ہوئے شہر میں گئے مزید تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ اس قدر مال غنیمت انھیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انھوں نے دیکھا نہ تھا فرمانِ خدا کے مطابق اُسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اُسے نہ جلایا اس پر اُن کے نبیؑ حضرت یوشعؑ نے فرمایا تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے پس میرے پاس ہر قبیلہ کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ یونہی کیا گیا ایک قبیلہ کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی کے ہاتھ سے چپک گیا آپ نے فرمایا تیرے پاس وہ خیانت کی چیز ہے جا اُسے لے آ۔ اُس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا جسکی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا

؎۔ یہ بنی اسرائیل کی معاندت اور خدا کے احکام کے ساتھ تمسخر کا مظہر ہے ۱۲۔ انظر شاہ کشمیری۔

اب آگ نے سب مال کو جلا دیا امام ابن جریرؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عامل ہے اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہ میں سرگردان رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ ع نے ہی قتل کیا ہے تو اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے ؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعوراء نے قوم عمالیق کے سرکشوں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰؑ پر بد دعا کی یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے تو سرکشوں کو موسیٰؑ اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا ابن جریرؒ کی یہی دلیل ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ اوپر اچھل کر آپؑ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا اس کے ٹخنے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین سو گز کا تھا پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر۔ وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں اس واقعہ میں یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ان کی مخالفتوں اور برائیوں کا بیان ہے کہ یہ دشمنانِ خدا سختی کے وقت خدا کے دین پر قائم نہیں رہتے رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے ہیں جہاد سے جی چراتے ہیں خدا کے اس کلیم و بزرگ رسولؑ کی موجودگی کا ان کے وعدے کا، ان کے حکم کا کوئی پاس انھوں نے نہیں کیا دن رات معجزے دیکھتے تھے فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا خدا کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ بے باکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں، نبیؑ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دیدیتے ہیں اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا لیکن پھر بھی اس بستی والوں کی طرف خدا کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے پس خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے یہ گو اپنے تئیں خدا کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے سور بندر بھی بنائے گئے لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے پس تمام تعریف اس خدا کے لئے ہے جسکی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ　　وقف لازم
اور آپ ان اہل کتاب کو آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے جب کہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی تو مقبول ہو گئی اور
يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَىِٕنْۢ
دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ وہ دوسرا کہنے لگا میں تجھ کو ضرور قتل کر دونگا اس ایک نے جواب دیا خدا تو متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں اگر تو مجھ پر
بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ　　النصف
میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کریگا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے دست درازی نہ کروں گا میں تو خدائے پروردگار عالم
اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ
سے ڈرتا ہوں میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر پر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس کو بڑے نقصان میں پڑ گیا

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا کہ وہ زمین کو کریدتا تھا تاکہ وہ اسکو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپا دے کہنے لگا کہ افسوس میری

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہو گیا اس کوّے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو بڑا شرمندہ ہوا۔

روئے زمین پر پہلا قتل

اس قصے میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا برا انجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بن کر مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنا لیا اور دوسرے نے اُسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ ارشاد ہے اے نبی انھیں حضرت آدمؑ کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا روایت ہے کہ چونکہ اسوقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدمؑ کے ہاں ایک حمل سے لڑکا لڑکی دو ہوتے تھے پھر دوسرے حمل سے بھی اسی طرح تو اس کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کر لے حضرت آدمؑ نے اسے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں خدا کے نام پر کچھ نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی۔ جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے مفسرین کے اقوال سنیئے حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد روایت ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی جب ہابیل کا پیغام اُس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اُس سے کرنا چاہا حضرت آدمؑ نے اس سے روکا اب دونوں نے خیرات نکالی کہ جسکی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے حضرت آدمؑ اُسوقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اُسے جانتے ہو؟ آپؑ نے کہا نہیں حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ حضرت آدمؑ نے آسمان سے کہا میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا وہ بھی انکاری ہو گئی پہاڑوں سے کہا اُنھوں نے بھی انکار کیا قابیل سے کہا اُس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں آپ جایئے آکر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ بھیڑ نام خدا پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی اُس کی کھیتی یوں ہی رہ گئی اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالی تھیں چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آئے گی اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا اللہ تو تقوے والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے یہی بھیڑا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ بھیڑا ہے جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور خدا کے نام قربان کیا اور خوشی کے ساتھ۔ برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردّی اور واہی چیز اور وہ بھی بد دلی سے خدا کے نام نکالی تھی ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں قابیل سے زیادہ تھا تاہم خدا کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم و زیادتی برداشت کی اور ہاتھ نہ اُٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدمؑ نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ آپ چونکہ ہابیل کو چاہتے ہیں اس کے لئے دعا کی تو اسکی قبول ہو گئی اب اُس نے

ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں موقعہ کا منتظر تھا اتفاقاً ایک روز حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدم ؑ نے قابیل کو بھیجا یہ ایک چھری اپنے ساتھ چھپا کر چلا راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہو گئی تو اس نے کہا میں تو تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین اور عمدہ محبوب و مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے ردی چیز، اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے اس پر وہ اور بگڑا اور چھری بھونک دی ہابیل کہتے رہ گئے کہ خدا کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بُری طرح لیا جائے گا اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر، لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا قابیل نے اپنی ہی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک یہ وجہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے میں ہی اس کا حقدار ہوں یہ بھی روایت ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی چونکہ اسوقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اُسے جلا جاتی یہ نشان تھا قبولیت کا۔

اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی بڑا بھائی خار کھا گیا اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا یوں ہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی، نکاح کے اختلاف مٹانے کی وجہ نہ تھی قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ باعث ناراضگی عدم قبولیتِ قربانی تھی نہ کچھ اور، ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی خدا کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اُس سے ڈرتا رہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ میدانِ قیامت میں ہوں گے جو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور خدا کے بازو کے نیچے جا ٹھیریں گے اللہ تعالیٰ نہ اُن سے رُخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابو عفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا جو شرک اور بُت پرستی سے بچے اور خالص خدا تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے، جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سُن کر اس سے کہتا ہے کہ خیر تو جو چاہ کر میں تو تیری طرح کروں گا نہیں بلکہ میں صبر کر لوں گا تجھے تو زور طاقت میں یہ اس سے زیادہ، مگر اپنی بھلائی، نیک بختی اور تواضع، فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہونے کا، میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے صحیح میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لیکر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں صحابہؓ نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے عنقریب فتنہ برپا ہو گا بیٹھا رہنے والا اُس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہو گا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہترین ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا کسی نے پوچھا حضورؐ اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے آپ نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم ؑ کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی منقول ہے حضرت ایوب سختیانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس اُمت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ایک مرتبہ ایک جانور پر حضورؐ سوار تھے اور آپکے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا ابو ذرؓ بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ آسکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم خدا و رسول ہو فرمایا صبر کرو پھر فرمایا جب کہ آپس میں خونریزی ہو گی یہاں تک کہ ریت کے پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے کہا پھر اگر جہ میں نہ اُتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور

وہیں رہ گیا۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لیلوں۔ فرمایا پھر تو تو بھی اُن کے ساتھ ہی شامل ہوجائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لیجائے حضرت ربعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں تھے جو ایک صاحب نے فرمایا میں نے مرحوم سے سُنا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سُنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑوگے تو میں اپنے سب سے دُور دراز کے گھر میں چلا جاؤں گا اور اُسے بند کرکے بیٹھ جاؤں گا اگر وہاں بھی کوئی گھُس آئے گا تو میں کہدوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے پس میں حضرت آدمؑ کے اُن دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح ہوجاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لیجائے یعنی تیرے وہ گُناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی، یہ مطلب بھی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی، لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی ہے ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہو اسی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر لیلیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں، بزار میں ایک حدیث میں ہے کہ بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں تاہم یہ بھی صحیح نہیں، اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذاء کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کردیتا ہے اب وہ قاتل پر آجاتے ہیں؟ یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ایسے بھی ہوں قاتل کو میدانِ قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لیتا جائے گا اور گر سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دئے جائیں گے یہاں تک کہ بدلہ ہوجائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے حدیثوں سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑا ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے لے یعنی تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آجائیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈالدئے جائیں اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آجا ورنہ گنہگار ہوکر جہنم داخل ہوجائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے کا ہی نہیں تو سارا بوجھ تجھ پر ہی ہوگا اور تو ہی ظالم ٹھیرے گا اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے، باوجود اس نصیحت کے بھی اُس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آکر اپنے بھائی کو قتل کردیا اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کرلی اور لوہے سے اسے مار ڈالا ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لیکر پہاڑوں پر چلے گئے تھے یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بڑا بھاری پتھر اُٹھا کر ان کے سر پر دے مارا یہ اسوقت سوئے ہوئے تھے بعض کہتے ہیں کہ مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر اور گلا دبا دبا کر ان کی جان لی یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے، تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر زور سے دے مارا جس سے وہ جانور اسی وقت مرگیا یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا یہ بھی منقول ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا تو قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے تبلایا کہ پتھر لیکر اس کا سر کچل ڈال، جب اُس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا انھوں نے کہا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے نہ ہلتا ڈلتا ہے کہا شاید موت آگئی اس نے کہا ہاں وہی موت، اب تو حوا چیخنے چلانے لگیں اتنے میں حضرت آدم ؑ آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب

إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَإِنَّهَا

اپنی جان اور اپنے بھائی پر البتہ اختیار رکھتا ہوں سو آپ ہم دونوں کے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ ارشاد ہوا تو

مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾ ع

یہ ملک اُن کے ہاتھ چالیس برس تک نہ لگیگا یوں ہی زمین میں سر مارتے پھرتے رہیں گے۔ سو آپ اس بے حکم قوم پر غم نہ کیجئے۔

نبوّت اور سلطنت خدا کے دو انعام ہیں

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السّلام نے اپنی قوم کو خدا کی نعمتیں یاد دلا کر اطاعتِ خدا کی طرف مائل کیا تھا یہاں اسی کا بیان ہے فرمایا لوگو خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اُس نے مسلسل نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے بعد اُنہی کی نسل میں نبوّت رہی یہ سب انبیاء علیہم السّلام تمہیں دعوت توحید و اتباع دیتے رہے یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ پر ختم ہوا۔ پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوّت کاملہ عطا ہوئی آپ حضرت اسمٰعیل ع کے واسطے سے حضرت ابراہیم ع کی اولاد میں سے تھے جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے خدا آپ پر درود و سلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنا دیا یعنی خادم دئے، بیویاں دیں، گھر بار دیا اور اُس وقت جتنے لوگ تھے اُن سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا کیا تیری بیوی ہے؟ اُس نے کہا ہاں کہا گھر بھی ہے؟ کہا ہاں کہا پھر تو تو غنی ہے اُس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے حسن بصری فرماتے ہیں سواری اور خادم ملک ہے بنی اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے بقول قتادہ خادموں کا اوّل اوّل رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم، سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا ایک اور مرفوع حدیث میں ہے جس کا گھر ہو اور خادم ہو وہ بادشاہ ہے یہ حدیث مرسل اور غریب ہے ایک حدیث میں آیا ہے جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو، اُس کا نفس امن و امان میں ہو دن بھر کفایت کرے اتنا مال بھی ہو اس کے لئے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی اُس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے اُن سے یہ اشرف و افضل بنا دیئے گئے تھے اور آیت میں ہے ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب حکم نبوّت پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی حضرت موسیٰ ع سے جب انھوں نے مشرکوں کو دیکھ کر خدا بنانے کو کہا اُس کے جواب میں موسیٰ ع نے خدا کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اُس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اُس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ ایک یہ حقیقت ہے کہ یہ اُمّت اُن سے افضل ہے شرعی حیثیت سے بھی اور احکامی حیثیت سے بھی، کیا نبوّت کی حیثیت سے، کیا بادشاہت عزت مملکت دولت حشمت مال، اولاد وغیرہ کی حیثیت سے خود قرآن فرماتا ہے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ الخ اور فرمایا وَجَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں اُمّت محمدی کو شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض اُمور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من و سلویٰ کا اترنا بادلوں سے سایہ دینا وغیرہ وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں یہ قول تو اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا کہ مراد اس سے اُن کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے واللہ اعلم۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

پھر بیان ہوتا ہے کہ بیت المقدس ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضہ میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل و عیال کے حضرت یوسف علیہ السلام

کے پاس مصر میں چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اُس پر قبضہ جما بیٹھی تھی وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو، خدا تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے مُنہ پھیر لیتے ہیں اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادیٔ تیہ میں حیران و سرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے، مقدسہ سے مُراد پاک ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے ایک روایت میں ہے اریحار کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ نہ تو اریحار کا فتح کرنا مقصود تھا نہ وہ ان کے راستہ میں تھا کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں میں آ رہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہو سکتا ہے کہ وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے شرق میں تھا، اللہ نے اُسے تمہارے لئے لکھ دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثہ میں آئیگی تم اپنی پیٹھوں کو نہ پھیرو یعنی جہاد سے مُنہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے، وہ جواب دیتے ہیں کہ جس شہر میں جانے کو اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کو آپ فرما رہے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں ہم اُن سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے ورنہ آپکی حکم برداری ہماری طاقت سے باہر ہے ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحا کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کئے بنو اسرائیل کے ہر قبیلہ میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحار میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوف زدہ ہو گئے ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لئے آگیا وہ پھل توڑتا ہوا ان کے نشانِ قدم ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جاکر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال دی جس میں یہ سب کے سب تھے بادشاہ نے انہیں کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا میں تمہیں قتل نہیں کرتا جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے کہدو چنانچہ انہوں نے جاکر سب حال بیان کیا جس سے بنی اسرائیل رعب میں آ گئے لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ان میں سے ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنے چادرے میں ان کی گٹھڑی باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا انہوں نے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰؑ کی قوم کے لوگ ہیں ہم تمہاری خبریں لینے کے لئے بھیجے گئے تھے انہوں نے ایک انگور اُن کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ اُن سے کہدو کہ یہ ہمارے میوے ہیں انہوں نے جاکر قوم سے سب حال کہدیا اب حضرت موسیٰؑ نے انہیں جہاد کا اور شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہدیا کہ آپ اور آپ کا خدا جائیں اور لڑیں ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں حضرت انسؓ نے ایک بانس لیکر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا پھر اُسے گاڑ کر فرمایا ان عمالیق کے قد اس قدر لمبے تھے مفسرینؒ نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے ایسے موٹے اور اس قدر لمبے تھے۔

عوج بن عنق

ان ہی میں عوج بن عنق بن حضرت آدمؑ تھا جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کے تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں انکے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے پھر یہ حدیث صحیح کے خلاف بھی ہیں حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ساٹھ ہاتھ کا پیدا کیا تھا پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں نہ بیٹھا تھا لیکن تاہم پانی اُس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا یہ بھی محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے، قرآن کریم میں نوح نبی علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ باقی رکھ یہ دعا قبول ہوگئی اور یہی ہوا بھی، قرآن فرماتا ہے کہ ہم نے نوحؑ کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی اور سب کافروں کو غرق کر دیا خود قرآن میں ہے کہ آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمتِ خدا ہو کوئی بھی بچنے کا نہیں۔ تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا نہ بچ سکے لیکن

عوج بن عنق کا فرولد الزنا بچ رہے بالکل عقل ونقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا واللہ اعلم بنی اسرائیل جب اپنے نبی کی نہیں مانتے بلکہ اُن کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر خدا کا انعام واکرام تھا وہ انھیں سمجھاتے ہیں اُن کے دلوں میں خوفِ خدا تھا وہ ڈرتے تھے کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذابِ خدا نہ آجائے ایک قرأت میں یخافون کے بدلے یخافون ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت وعظمت تھی ایک کا نام یوشع بن نون تھا دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا انھوں نے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کردے گا اور وہ خود تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے تم دروازے تک تو چلے چلو یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے لیکن ان نامردوں نے بڑے اصرار کے ساتھ کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون نے یہ دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انھیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انھوں نے پتھروں سے شہید کردیا۔ ایک طوفانِ بدتمیزی شروع ہو گیا اور بے طرح مخالفتِ رسول پر تل گئے انکے اس حال کو سامنے رکھکر پھر صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو دیکھئے کہ جب تو سو یا ایک ہزار کا فر اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے چلے، قافلہ تو دوسرے راستہ سے نکل گیا لیکن انھوں نے اپنی طاقت اور قوت کے گھمنڈ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی اُمیدوں پر پانی پھیرنا سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رُخ کیا، ادہر حضورؐ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتلاؤ اب کیا کرنا چاہیئے اللہ ان سب سے خوش ہے انھوں نے حضورؐ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے زن وفرزند سب رکھدئے اور کہا حضورؐ مالک ہیں ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبہ کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں بلکہ حضورؐ کے فرمان کے منتظر ہیں سب سے پہلے حضرت صدیق نے اس قسم کی گفتگو کی پھر مہاجرین صحابہؓ میں سے بہت سوں نے اسی قسم کی تقریر کی لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا اور صاحب بھی اپنا ارادہ ظاہر کریں آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں اس لئے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے اس پر سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے شاید آپ کا ارادہ ہماری منشا معلوم کرنے کا ہے سُنیئے یارسول اللہ! قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کرکے فرمائیں کہ اسمیں کود جاؤ بے پس وپیش اسمیں کود جائیں گے، آپ دیکھ لیں گے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہوگا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے۔ حضورؐ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں شوق سے لے چلئے آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں آپ جان لیں گے کہ ہم خدا کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں آپ اللہ کا نام لیجئے اُٹھ کھڑے ہو جیئے ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یہ سُن کر خدا کے رسول خوش ہو گئے اور آپ کو انصارؓ کی باتیں بہت ہی اچھی معلوم ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم۔ ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقع پر آپ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا حضرت عمرؓ نے کچھ کہا پھر انصار یوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری سُننا چاہتے ہیں تو سنیئے ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ کہدیں آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑیں ہم یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ خدا کی مدد لیکر جہاد کے لئے چلئے ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں حضرت مقداد انصاری رضؓ نے بھی کھڑے ہوکر یہی فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقداد رضؓ کے اس قول سے اللہ کے رسولؐ خوش ہو گئے انھوں نے کہا تھا کہ حضورؐ لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہوں گے کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسولؐ کو اس قدر خوش کر سکتا ایک روایت میں حضرت مقداد رضؓ کا یہ قول حدیبیہ کے دن کا ہے جب کہ مشرکین نے آپکو عمرہ کے لئے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستہ میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ

نہ پہنچ سکے تو آپؐ نے فرمایا کہ میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لیکر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم اصحابِ موسیٰ کی طرح نہیں یہ اُن ہی سے ہو سکا کہ اپنے نبی سے کہدیا کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ آپ چلئے خدا کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں یہ سن کر اور اصحابؓ نے بھی اسی طرح جان نثاریوں کے وعدے کرنے شروع کردیئے پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپؐ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہ فرمایا ہو واللہ اعلم۔ حضرت موسیٰؑ کو یہ سُنکر اپنی اُمّت پر بہت غصہ آیا اور خدا کے سامنے اُن سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے تو اب میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما۔ جناب باری نے اس دعا کو قبول فرمایا اور فرمایا کہ اب یہ چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے وادی تیہ میں حیران و سرگرداں پھرتے رہیں گے کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے

عجائبات

یہاں اُنہوں نے عجیب و غریب خلافِ عادت امور دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا، من و سلویٰ کا اترنا ایک ٹھوس پتھر سے جو اُن کے ساتھ تھا پانی کا نکلنا حضرت موسیٰؑ نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلہ کی طرف ایک چشمہ بہ نکلا اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنی اسرائیل نے وہاں پر دیکھے یہیں تورات اُتری یہیں احکام خدا نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ، اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے نکل جانے کی انھیں نہیں ملی، ہاں ابر کا سایہ ان پر کردیا گیا اور من و سلویٰ اُتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے پھر حضرت ہارونؑ کی وفات ہو گئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے اس اثناء میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین سَنَةً پر وقف تام کرتے ہیں اور اَرْبَعِيْنَ سَنَةً کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ کو بتلاتے ہیں اس چالیس سالہ مدت کے گذر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے انھیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل اُن کے ساتھ ہو لئے اور آپؑ نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آپہنچا دشمنوں کے قدم اُکھڑ گئے اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لئے اللہ کے نبیؑ نے فرمایا اے سورج تو بھی خدا کا غلام ہے اور میں بھی خدا کا محکوم ہوں اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے چنانچہ خدا کے حکم سے سورج رک گیا اور آپؑ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کرلیا۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل سے کہدو اس شہر کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جائیں اور حِطَّةٌ کہیں یعنی خدایا ہمارے گناہ معاف فرما لیکن اُنھوں نے خدا کے حکم کو بدل دیا رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے حَبَّةٌ فِيْ شَعْرَةٍ کہتے ہوئے شہر میں گئے مزید تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے دوسری روایت میں اتنا اور ہے کہ اس قدر مالِ غنیمت انھیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انھوں نے دیکھا نہ تھا فرمانِ خدا کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لئے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے نہ جلایا اس پر اُن کے نبیؑ حضرت یوشعؑ نے فرمایا تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے پس میرے پاس ہر قبیلہ کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ یونہی کیا گیا ایک قبیلہ کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی کے ہاتھ سے چپک گیا آپؑ نے فرمایا تیرے پاس وہ خیانت کی چیز ہے جا اسے لے آ۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا جسکی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا

ف:- یہ بنی اسرائیل کی معاندت اور خدا کے احکام کے ساتھ تمسخر کا مظہر ہے ۱۲۔ انظر شاہ کشمیری۔

اب آگ نے سب مال کو جلا دیا امام ابن جریرؒ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً میں فَاِنَّھَا مُحَرَّمَۃٌ عَلَیْھِمْ عامل ہے اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہ میں سرگرداں رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہؑ نے ہی قتل کیا ہے تو اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے ؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کے بعد کا ہے علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعوراء نے قوم عمالیق کے سرکشوں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰؑ پر بد دعا کی یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے تو سرکشوں کو موسیٰؑ اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا ابن جریرؒ کی یہی دلیل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ اوپر اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا اس کے ٹخنے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین سو گز کا تھا پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر۔ وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں اس واقعہ میں یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ ہے اور ان کی مخالفتوں اور برائیوں کا بیان ہے کہ یہ دشمنان خدا سختی کے وقت خدا کے دین پر قائم نہیں رہتے رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے ہیں جہاد سے جی چراتے ہیں خدا کے اس کلیم و بزرگ رسولؑ کی موجودگی کا ان کے وعدے کا ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا دن رات معجزے دیکھتے تھے فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گزرا تھا خدا کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا رہے ہیں اور نہ صرف انکار بلکہ بے باکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں، نبیؑ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دے دیتے ہیں اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا لیکن پھر بھی اس بستی والوں کی طرف خدا کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے پس خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے یہ گو اپنے تئیں خدا کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت امر کے بالکل برعکس تھی رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے سور بندر بھی بنائے گئے لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے پس تمام تعریف اس خدا کے لئے ہے جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

اور آپ ان اہل کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے جب کہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی تو مقبول ہو گئی اور

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (۲۷) لَىِٕنْۢ

دوسرے کی مقبول نہ ہوئی۔ وہ دوسرا کہنے لگا میں تجھ کو ضرور قتل کر دوں گا اس نے جواب دیا خدا تو متقیوں ہی کا عمل قبول کرتے ہیں اگر تو مجھ پر

النصف

بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ

میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کریگا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے دست درازی نہ کروں گا میں تو خدائے پروردگار عالم

اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (۲۸) اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ

سے ڈرتا ہوں میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر پر رکھ لے پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی سو اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے بڑے نقصان اٹھانے

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کو کریدتا تھا تاکہ وہ اسکو تعلیم کردے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طریقہ سے چھپا دے کہنے لگا افسوس میری

اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا ہو گیا اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو بڑا شرمندہ ہوا۔

روئے زمین پر پہلا قتل

اس قصے میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا بُرا انجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بن کر مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیا اور دوسرے نے اُسے ظلم و زیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ ارشاد ہے اے نبی انھیں حضرت آدم ؑ کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم و کاست قصہ سنا دو۔ ان دونوں کا نام ہابیل و قابیل تھا روایت ہے کہ چونکہ اسوقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی اس لئے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم ؑ کے ہاں ایک حمل سے لڑکا لڑکی دو ہوتے تھے پھر دوسرے حمل سے بھی اسی طرح تو اس کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرا دیا جاتا تھا ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرلے حضرت آدم ؑ نے اسے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں خدا کے نام پر کچھ نکالو جس کی خیرات قبول ہو جائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا جائے گا ہابیل کی خیرات قبول ہو گئی۔ جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے مفسّرین کے اقوال سُنیئے حضرت آدم ؑ کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد روایت ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رُو تھی جب ہابیل کا پیغام اُس سے ہوا تو قابیل نے انکار کر دیا اور اپنا نکاح اُس سے کرنا چاہا حضرت آدم ؑ نے اس سے رُوکا اب دونوں نے خیرات نکالی کہ جسکی قبول ہو جائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے حضرت آدم ؑ اُسوقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اُسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکہ میں ہے تم وہیں جاؤ حضرت آدم ؑ نے آسمان سے کہا میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا وہ بھی انکاری ہو گئی پہاڑوں سے کہا اُنھوں نے بھی انکار کیا قابیل سے کہا اُس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں آپ جائیے آکر ملاحظہ فرمالیجے اور خوش ہوں گے اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ بھیڑ نام خدا پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلا گئی جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی اُس کی کھیتی یوں ہی رہ گئی اس نے راہ اللہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالی تھیں چونکہ قابیل اب مایوس ہو چکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آئے گی اس لئے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا اللہ تو تقوے والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے یہی بھیڑ جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ بھیڑ ہے جسے حضرت ابراہیم ؑ نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب و محبوب جانور خدا کے نام قربان کیا اور خوشی کے ساتھ۔ برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بھی بد دلی سے خدا کے نام نکالی تھی ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں قابیل سے زیادہ تھا تاہم خدا کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم و زیادتی برداشت کی اور ہاتھ نہ اُٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم ؑ نے اُس سے کہا تو اس نے کہا کہ آپ چونکہ ہابیل کو چاہتے ہیں اس کے لئے دعا کی تو اسکی قبول ہو گئی اب اُس نے

ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اُکھاڑ ڈالوں موقعہ کا منتظر تھا اتفاقاً ایک روز حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لئے حضرت آدم ؑ نے قابیل کو بھیجا یہ ایک چھری اپنے ساتھ چھپا کر چلا راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی تو اس نے کہا میں تو تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین اور عمدہ محبوب و مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے ردی چیز، اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے اس پر وہ اور بگڑا اور چھری بھونک دی ہابیل کہتے رہ گئے کہ خدا کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بُری طرح لیا جائے گا اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر، لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا قابیل نے اپنی ہی توام بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک یہ وجہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں اس لئے میں ہی اس کا حقدار ہوں یہ بھی روایت ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی چونکہ اسوقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے اس لئے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اُسے جلا جاتی یہ نشان تھا قبولیت کا۔
اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی بڑا بھائی خار کھا گیا اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا یوں ہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی، نکاح کے اختلاف مٹانے کی وجہ نہ تھی قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ باعث ناراضگی عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی خدا کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے جو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور خدا کے بازو کے نیچے جا ٹھیریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے منہ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابو عفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص خدا تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ خیر تو جو چاہ کر میں تو تیری طرح کروں گا نہیں بلکہ میں صبر کر لوں گا تھے تو زور طاقت میں یہ اُس سے زیادہ، مگر اپنی بھلائی، نیک بختی اور تواضع، فروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہونے کا، میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے صحیحین میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لیکر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں صحابہؓ نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے عنقریب فتنہ برپا ہوگا بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہوگا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہترین ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا کسی نے پوچھا حضورؐ اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے آپ نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم ؑ کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی منقول ہے حضرت ایوب سختیانی رحمۃ فرماتے ہیں اس اُمت میں سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں ایک مرتبہ ایک جانور پر حضورؐ سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے آپ نے فرمایا ابوذرؓ بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جاسکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم خدا و رسول ہو فرمایا صبر کرو پھر فرمایا جب کہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے پتھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کرلے کہا پھر اگر میں نہ اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا جن کا تو ہے اور

وہیں رہ۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں۔ فرمایا پھر تو تو بھی اُن کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعاعیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لیجائے حضرت ربعی رحمہ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں تھے جو ایک صاحب نے فرمایا میں نے مرحوم سے سُنا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دُور دراز کے گھر میں چلا جاؤں گا اور اُسے بند کر کے بیٹھ جاؤں گا اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے گا تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے پس میں حضرت آدم ؑ کے اُن دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا اس کی طرح ہو جاؤں گا، میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر پر رکھ لیجائے یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی، یہ مطلب بھی حضرت مجاہد رحمہ سے منقول ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی، لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی ہے ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو اسی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر لیتا ہے اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں، بزار میں ایک حدیث میں ہے کہ بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں تاہم یہ بھی صحیح نہیں، اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذا کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے اب وہ قاتل پر آجاتے ہیں؟ یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ایسے بھی ہوں قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لیتا جائے گا اور اگر سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لئے جانے حدیثوں سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑا ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔ امام ابن جریر رحمہ فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے لے تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آجائیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈالدئے جائیں اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آجا ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے کا ہی نہیں تو سارا بوجھ تجھ پر ہی ہوگا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے، باوجود اس نصیحت کے بھی اُس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آکر اپنے بھائی کو قتل کر دیا اُسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کرلی اور لوہے سے مار ڈالا ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لیکر پہاڑوں پر چلے گئے تھے یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بڑا بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے بعض کہتے ہیں کہ مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر اور گلا دبا دبا کر ان کی جان لی یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر زور سے دے مارا جس سے وہ جانور اسی وقت مرگیا یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا یعنی مقتول چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا تو قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتلایا کہ پتھر لیکر اس کا سر کچل ڈال، جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا انھوں نے کہا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے نہ ہلتا جلتا ہے کہا شاید موت آگئی اس نے کہا ہاں وہی موت، اس پر حوا چیخنے چلانے لگیں اتنے میں حضرت آدم ؑ آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب

دے سکیں آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرطِ غم و رنج کی وجہ سے اُن کی زبان نہ اُٹھی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں اور میں اور میرے بیٹے اس سے بَری ہیں قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اُس کے خون کا بوجھ آدم کے اس پہلے لڑکے پر بھی پڑتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خونِ ناحق گرایا ہے۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ قابیل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اُس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا مُنہ سورج کی طرف کر دیا گیا سورج کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے۔ حضرت عبداللہ رضؓ سے روایت ہے کہ جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اسی ایک کو ہو رہا ہے سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کا حصّۂ گناہ اس کے ذمّہ ہے۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں اس پر اور شیطان پر ہر خونِ ناحق کا بوجھ پڑتا ہے۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے کس طرح اُسے چھپائے؟ تو اللہ تعالیٰ نے دو کوّے بھیجے وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے یہ اُس کے سامنے لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر ایک گڑھا کھود کر اُس میں اُس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوّے کو دوسرے کوّے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا یہ بھی روایت ہے کہ سال بھر تک تو قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کاندھے پر لادے پھرتا رہا پھر کوّے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مار ڈال کر پھر بہت پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لئے بھی کہ سب سے پہلی میّت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا اہلِ تورات کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اُس نے کہا مجھے کیا خبر میں اُس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سُن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے تجھ پر میری لعنت ہے اُس زمین میں جس کا مُنہ کھول کر تو نے اُسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی تجھے نہیں دے گی جب تک کہ تو اس میں سرگردانی کرے تو اس نے اس کام کو کر لیا لیکن پھر تو بڑا ہی نادم ہوا نقصان کے علاوہ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔ اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر متفق ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم ؑ کے صُلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتلِ ناحق ہوتا ہے اس کا ایک حصّہ گناہ کا حضرت آدم ؑ کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے اس لئے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے لیکن حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے قربانی سب سے پہلے انہی پر آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم ؑ کا انتقال ہوا ہے۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے یہ واقعہ بطورِ ایک مثال کے ہے تم اس میں سے اچھائی لے لو اور بُرے کو چھوڑ دو۔ یہ حدیث مرسل ہے کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدم ؑ بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے اُن کے غم کے دُور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم ؑ نے اُس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بدصورت ہو گئی۔ ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اُس مُردے کے ساتھ اس زندہ نے بھی گویا اپنے تئیں ہلاک کر دیا اور جو بُرائی قاتل نے کی تھی اُس کا بوجھ اُس پر آ گیا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اُسی وقت کوئی سزا دی گئی۔ چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اُس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اُس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اُس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا اُدھر ہی اُس کا منہ اُٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد اُن کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے جو زمین میں

فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

اس سے پھیلا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جو شخص کسی شخص کو بچا لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ؗ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ

اور بنی اسرائیل کے پاس ہمارے بہت سے پیغمبر بھی دلائل واضحہ لے کر آئے پھر اس کے بعد بھی بہتیرے اُن میں سے دنیا میں

لَمُسْرِفُوْنَ ⑥ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ

زیادتی کرنے والے ہی رہے　اور جو لوگ اللہ سے اور اُس کے رسول سے لڑتے ہیں　اور ملک میں فساد پھیلاتے

فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ

پھرتے ہیں اُن کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جاویں یا سولی دیئے جاویں یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جاویں　یا

یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

زمین پر سے نکال دیے جائیں　یہ اُن کے لیے دنیا میں سخت رسوائی ہے　اور اُن کو آخرت میں　عذاب

عَظِیْمٌ ⑦ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑧

عظیم ہو گا　ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم اُن کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشدیں گے مہربانی فرماویں گے۔

انسان کا قتل کائنات کا قتل ہے

ارشاد ہے کہ حضرت آدم کے اس لڑکے کے ظلماً قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کی کتاب میں لکھ دیا اور اُن کے لیے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ جو شخص کسی ایک کو بلا وجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اس لئے کہ خدا کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو بچا لیا اس لئے کہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں تو حضرت ابو ہریرہؓ اُن کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لئے آیا ہوں آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے یہ سن کر بے گناہ خلیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا نہیں نہیں۔ فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کا قتل کرنا جاؤ واپس لوٹ جاؤ میری یہی خواہش ہے۔ اللہ تمہیں اجر دے۔ اور گناہ نہ دے۔ یہ سن کر آپ واپس لوٹ گئے اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اقدام دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس سے روک جانا لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے مقصد کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینا ہے (ابن جریر) اور روایت میں ہے کہ ایک کو بے وجہ مار ڈالنے والا بھی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں مومن کو بے وجہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی دشمن خدا ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے۔ عبدالرحمنؒ فرماتے ہیں ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل

کرے جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو اور جو اُسے جِلا لے یعنی قاتل کے ولی سے درگزر کرے اُس نے گویا لوگوں کو جِلا لیا۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچالی مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا، جلتے کو بچا لیا، کسی کو ہلاکت سے ہٹا لیا۔ مقصد لوگوں کو خونِ ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن و امان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسنؒ سے پوچھا گیا کہ کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلّف تھے ہم بھی ہیں؟ فرمایا ہاں یقیناً خدا کی قسم بنو اسرائیل کے خون خدا کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے۔ پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کی حفاظت کا ثواب سب کو بچا لینے کے برابر ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ میری زندگی بآرام گذرے۔ آپ نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تم کو پسند ہے یا کسی کو بچا لینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچا لینا۔ فرمایا بس اب اپنی اصلاح میں لگے رہو۔ پھر فرماتا ہے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور دراز دستی سے باز نہ رہے۔ بنو قینقاع کے یہود بنو قریظہ اور نضیر وغیرہ کو دیکھ لیجئے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انھیں قرآن میں سمجھایا گیا کہ تم سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے آدمیوں کا خون بہاؤ نہ انھیں دیس نکالا دو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کا خلاف کیا گو فدیے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو ایسوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رُسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت ترین عذاب کا شکار ہوں اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ محاربہ کے معنی خلاف کرنا حکم کے برعکس کرنا مخالفت پر تُل جانا ہے۔ مراد اس سے کفر ڈاکہ زنی زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے قرآن کی دوسری آیت میں ہے جب وہ کسی کام کے نگراں ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں خدائے تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ برخلاف اس کے کہ اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حدِ شرعی سے آزاد نہیں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اُتری ہے۔ پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آجانے سے پہلے توبہ کر لے تو جو حکم اُس پر اُس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ حضرت اُبی سے روایت ہے کہ اہلِ کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن اُنھوں نے اُسے توڑ دیا اور فساد کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں اُلٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعدؒ فرماتے ہیں حروریہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی یہ کام کرے اُس کے لئے یہ حکم ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ قبیلۂ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے اُن سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا۔ چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انھوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہؓ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انھیں پکڑ لاؤ۔ چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ مسلم میں ہے۔ یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عُرینہ کے یہ پانی مانگتے تھے مگر انھیں پانی نہ دیا گیا نہ اُن کے زخم داغے گئے۔ انھوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور خدا رسول سے لڑے بھی تھے۔ انھوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں۔ مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی برسام کی بیماری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑے سوار بھیجے تھے اور ایک

اس سزا کو مثلہ کہتے ہیں جس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اس وقت تک مثلہ حرام نہ تھا بعد میں مثلہ کو حرام قرار دیدیا گیا ۱۲ انظر شاہ کشمیری *

لگی تھا جو نشان پر قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے انہی کے بارے میں یہ آیت اُتری ہے ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو دی ہو تم بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انھیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو٭ حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنالی تب مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے یہ سب تندرست ہوگئے تو یہ مرتد بن گئے۔ اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انھوں نے بند کر دیئے تھے اور یہ زانی بھی تھے یہ جب آئے تو ان کے پاس غربت کی وجہ سے پہننے کے کپڑے تک نہ تھے یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے والے ہی تھے جو ہم نے انھیں جا لیا وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا خدا کو ناپسند آیا۔ یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا ان کے سردار حضرت جریر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انھوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انھوں نے ان کے ساتھ کیا تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا جس کا نام یسار تھا چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انھیں بھیجدیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں انہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے جو لشکر انھیں گرفتار کر کے لایا تھا ان میں ایک شاہ زور حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ حافظ ابو بکر بن مردویہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا ہے خدا انھیں جزائے خیر دے۔ ابو حمزہ بن عبد الکریم جسے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے کی آب و ہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دغابازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا تو آپ نے منادی کرادی کہ اللہ کے لشکریو! اٹھ کھڑے ہو جاؤ۔ یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے ان مرتدوں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے کو تھے جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے انھیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے انھیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری۔ ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انھیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھی اعضا بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انھیں جلا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں یہ بنو سُلیم کے لوگ تھے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سزا انھیں دی وہ خدا کو ناپسند آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دی۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روکا گیا ہے اس سزا کو جیسے آیت عَفَا اللّٰهُ عَنكَ میں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مُثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کاٹ دینے سے جو ممانعت فرمائی ہے اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن یہ ذرا غور طلب۔ پھر یہ بھی سوال ہوتا ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہونے سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا بلکہ حدود کے

٭ شاید آپ کو وحی سے معلوم ہوا کہ ان کی بیماری کا علاج پیشاب ہے یا آپ جانتے ہوں کہ اس بیماری کا علاج پیشاب ہی ہے۔ ورنہ عام طور پر پیشاب کو کسی طرح بھی استعمال کرنا جائز نہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری ٭

تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے بعض کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے۔ لیکن یہ بھی درست نہیں اس لئے کہ بخاری ومسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں محمد بن عجلانؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سخت سزا انھیں دی اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں۔ اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں لیکن اوزاعیؒ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر آپ کو ڈانٹا گیا ہو۔ بات یہ ہے کہ جو انھوں نے کیا تھا اس کا وہی بدلہ مل گیا۔ اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا کے ہیں۔ مالکؒ، اوزاعیؒ، لیثؒ، شافعیؒ، احمد رحمہم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرونِ شہر میں۔ ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام مالکؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اس کا تمام مال واسباب جو اس کے پاس ہے لے لیا جائیگا اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا نہ کہ مقتول کے اولیا کے ہاتھ میں یہ کام ہو گا بلکہ اگر وہ درگذر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومتِ اسلامیہ کا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے مسلمانوں کو پرخطر بنا دے امام المسلمین کو ان تینوں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے حرم میں جو شکار کھیلے اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا اس کے برابر کے روزے بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالتِ احرام میں سر منڈوانے اور خلافِ احرام کام کرنے والے کے فدیہ میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا بیان ہے قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کی آزادی ہے تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے اسی طرح ایسے محارب مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلا وطن کرنا اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے۔ جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوئے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے۔ اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور جب کہ راستہ پرخطر کر دیا ہو لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی دوسرے گناہ کو مرتکب ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلا وطنی ہے اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر رہنے دے کر پھر اتار لیا جائے؟ یا یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ بیان کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے اگر اس کی سند صحیح ہو تو۔ وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا جنھوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور پاؤں بدامنی کے بدلے۔ اور جس نے قتل کیا ہے اسے قتل کر دیجئے اور جس نے قتل اور خطرۂ راہ اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے اسے سولی چڑھا دو۔ فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انھیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے۔ یا وہ دار الاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر اسے بھیج دیا جاتا ہے۔ یا

یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے۔ شعبیؒ تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانی کہتے ہیں ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے یونہی کئی سال تک مارا مار اپھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ ابو حنیفہ رحؒ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں اُسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے ابن جریر رحؒ کا مختار قول یہ ہے کہ اُسے اُس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔ ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں معذب ہوں گے۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو اُن لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اُتری ہے اور مسلموں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لئے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں، ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں۔ جو اس وعدے کو نبھائے اُس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے پھر اگر اُسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس کا امر اللہ کی طرف ہے اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے چھوڑ دے اور حدیث میں ہے کہ جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اُسے ڈھانپ لیا اور اُس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ معاف کئے ہوئے جرم پر پھر سے پکڑے۔ اسی دنیوی سزا میں اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔ پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے اُس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے لیکن جو مسلمان محارب ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کا کٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے دو قول ہیں۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے۔

حضرت علی رضؓ کا معاملہ

صحابہ کا عمل بھی اسی پر ہے چنانچہ جاریہ بن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا مسلمانوں سے لڑا۔ اس کے بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علی رضؓ سے سفارش کی جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ لیکن آپ نے اُسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا انہوں نے اپنے گھر میں اُسے ٹھیرایا اور حضرت علی رضؓ کے پاس آئے اور کہا بتلائیے تو جو خدا اور اُس کے رسولؐ سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے پھر ان آیتوں کی قَبْلَ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا۔ حضرت سعیدؓ نے فرمایا یہ جاریہ بن بدر ہے چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا اے امیر کوفہ میں فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں میں نے اللہ اور اُس کے رسول سے لڑائی لڑی، زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں اس سے پہلے میں تائب ہو گیا اور میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی بُرائی نہ کرے اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اس کو ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر نکل کھڑا ہوا خدا نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی راستے پُرخطر کر دیئے لوگوں کو قتل کیا، مال لوٹا۔ بادشاہِ لشکر اور رعایا نے ہر چند اُسے گرفتار کرنا چاہا لیکن یہ ہاتھ نہ لگا ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا جو ایک شخص کو قرآن پڑھتے سُنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا الخ یہ اسے سُن کر ٹھٹک گیا اور اس سے کہا اے خدا کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سُنا۔ اس نے پھر پڑھی خدا کی اس آواز کو سن کر کہ وہ فرماتا ہے اے میرے گنہگار بندو! تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ میں سب گناہوں کے بخشنے پر قادر ہوں میں غفور و رحیم ہوں اس شخص نے جھٹ اپنی تلوار کو میان میں کر لی اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے میں پہنچ گیا غسل کیا اور مسجد نبوی میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا جب دن خوب نکل آیا

لوگوں نے اسے دیکھکر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی بہت بڑا مجرم اور مفرور شخص علی اسدی ہے ٹوٹ پڑے ہوئے کہ اُسے گرفتار کریں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے اس لئے کہ تم مجھ پر قابو پاؤ اس سے پہلے ہی میں توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد تمہارے پاس آ گیا ہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے یہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں یہ توبہ کر چکے ہیں اس لئے اب تم انہیں کچھ کر نہیں سکتے۔ چنانچہ کسی نے اُس کے ساتھ کچھ نہ کیا جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لئے چلی تو اُن مجاہدین کے ساتھ یہ بھی ہو لئے سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لئے ان کی کشتی میں کود گئے اُن کی آبدار خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے یہ بھی اُن کے پیچھے اُسی طرف چلے چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا اس لئے کشتی الٹ گئی جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمۃ اللہ علیہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے (خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو امید ہے کہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا

کامیاب ہو جاؤ گے۔ یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں ہوں اور اُن چیزوں کے ساتھ اتنی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ

بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲﴾ یُرِیْدُوْنَ

وہ اس کو دے کر روز قیامت کے عذاب سے چھوٹ جاویں جب بھی وہ چیزیں اُن سے ہرگز قبول نہ کی جاویں گی اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا اس بات کی خواہش کریں گے

اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳﴾

کہ دوزخ سے نکل آویں اور وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا

حسن اعمال کا وسیلہ

تقویٰ کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کے منع کردہ کاموں سے رُکا رہے اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرے یہی معنی وسیلے کے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں حضرت مجاہد، حضرت ابو وائل، حضرت حسن، حضرت ابن زید اور بہت سے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے بھی روایت ہے قتادہؒ فرماتے ہیں خدا کی اطاعت اور اُس کی مرضی کے اعمال سے اُس سے قریب ہوتے جاؤ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ۔ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کئے ہیں اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے اس میں کسی ایک کا بھی بالکل خلاف نہیں۔ امام ابن جریرؒ نے اس پر ایک عربی شعر بھی بیان کیا ہے جس میں وسیلہ معنی میں قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے وسیلے کے معنی اُس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اُس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہے عرش سے بہت زیادہ قریب کا درجہ ہے۔ یہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اذان سن کر اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ الخ پڑھے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اُس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔ مسند احمد میں ہے جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لئے وسیلہ مانگو پوچھا گیا کہ وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا

سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہو جاؤں۔ طبرانی میں ہے تم اللہ سے دعا کرو کہ خدا مجھے وسیلہ عطا فرمائے جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا۔ اور حدیث میں ہے وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں۔ بس تم اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ کے ملنے کی دعا کرو۔ ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون لوگ ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ، حسینؓ کا نام لیا۔

ایک اور بہت ہی غریب روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے منبر کوفہ پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں۔ ایک سفید، ایک زرد۔ زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے جس میں ستر ہزار بالاخانے ہیں جن میں سے ہر ہر گھر تین میل کا ہے اس کے دریچے، دروازے، تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے لئے۔ تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ اس کی راہ میں جہاد کرو مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں اس کے دین سے الگ ہیں اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں انہیں قتل کرو۔ ایسے مجاہدین بامراد ہیں فلاح و صلاح، سعادت و شرافت ان ہی کے لئے ہے جنت کے بلند بالاخانے اور خدا کی بے شمار نعمتیں ان ہی کے لئے ہیں۔ یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت ...... نہیں، جہاں کمی اور نقصان نہیں، جہاں لازوال جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش و عشرت ہے۔

عذاب در عذاب

اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ ایسے سخت اور برے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لئے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں وہ دائمی ابدی اور دوامی ہیں، جیسے اور جگہ ہے کہ جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے۔ آگ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آجائیں گے کہ داروغے انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دیں گے۔ غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ایک جہنمی کو لایا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم کہو تمہاری جگہ کیسی ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لئے تو کیا خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کر سونا دے کر بھی میں یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (مسلم)

ایک واقعہ

ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیرؒ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے؟ کہ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا الخ یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ پڑھو جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کافر لوگ ہیں یہ کبھی نہ نکلیں گے (مسند وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ یزیدؒ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا اس لئے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابرؓ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے خلاف کہتے ہیں اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابرؓ بہت ہی حلیم الطبع تھے انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کے جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے وہ کفار ہیں۔ تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے۔ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن میں نہیں ہے وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ الخ اس میں مقام محمود کا ذکر ہے یہی مقام شفاعت ہے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا۔ حضرت یزیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا۔ حضرت طلق بن حبیبؒ کہتے ہیں میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابرؓ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کی ہمیشگی کا بیان

ہے سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا اے طلق کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو! جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کے لئے۔ لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے گناہوں کے بدلے سزا بھگت لی پھر جہنم سے نکال دیئے گئے۔ حضرت جابر رضی نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے آزاد کر دیئے جائیں گے قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے سو ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ تو

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ

بڑے قوت والے ہیں (جو سزا چاہیں مقرر فرمائیں) بڑے حکمت والے ہیں (کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں)۔ پھر جو شخص توبہ کرے اپنی اس زیادتی کے پیچھے اور اعمال کی درستی رکھے تو

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

بیشک خدا تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (کہ اسکا گناہ معاف کر دیا) بڑی رحمت والے ہیں (کہ آئندہ بھی مزید عنایت کی) کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کیلئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

چوری اور اس سے متعلق احکام

حضرت ابن مسعود رض کی قرأت میں فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا ہے لیکن یہ قرأت شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بنا پر ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا۔ اسلام نے اُسے تفصیل وار اور منظم کر دیا۔ اسی طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے۔ اسلام نے انھیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دُوَیک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے اس نے کعبہ کا غلاف چرایا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں تھوڑی ہو یا بہت محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے۔ بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن عباس رض سے روایت ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول کا یہی مطلب ہو۔ اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے، رسی چرائی ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے گو اس حد کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالک رح کہتے ہیں تین درہم سکے دار خالص یا ان کی قیمت کی یا زیادہ کی کوئی چیز چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت اتنی ہی تھی۔ حضرت عثمان رض نے اترج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے۔ جب کہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمان رض کا یہ فعل گویا صحابہ رض کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے اس میں شافعیہ کے خلاف ہے پاؤ دینار کے تقرر میں۔ امام شافعی رح کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اُس سے زیادہ۔ ان کی دلیل صحیحین کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو اُس میں کاٹنا چاہئے۔ مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار یا اس سے اوپر میں۔ پس یہ حدیث اس

مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لئے کہ اُس وقت دینار بارہ درہم کا تھا پس اصل چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطاب رضی حضرت عثمان بن عفان رضی حضرت علی بن ابی طالب رضی بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لیث بن سعد اوزاعی شافعی اسحاق بن راہویہ ابوثور داؤد ابن علی ظاہری رح کا بھی یہی قول ہے ایک روایت میں امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رح سے مروی ہے کہ خواہ رُبع دینار ہو خواہ تین درہم۔ دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہیں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے۔ چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم نہیں۔ اُس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ رض سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ پس ان تمام حدیثوں سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم کی شرط لگانی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔ امام ابو حنیفہ رح اور اُن کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اُس کی قیمت دس درہم تھی چنانچہ ابو بکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے اور عبداللہ بن عمر سے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن عمرو مخالفت کر رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لئے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے۔ علی، ابن مسعود، ابراہیم نخعی، ابو جعفر باقر رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے سعید ابن جبیر رض فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہریہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا۔ انہیں جمہور نے یہ جواب دیا کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن جواب ٹھیک نہیں اس لئے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقین نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور بیان واقعہ کے ہو۔ ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے وقوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لئے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم بیٹھ جاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابو العلا معری جب بغداد میں آیا تو اُس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کئے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علمائے کرام نے اُسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا پھر جواب بھی مشہور کر دیئے گئے۔ قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن و امان قائم ہوتا ہے جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے اُس پر بڑا جرمانہ رکھا تاکہ لوگ اس بُرے فعل سے بچیں وہاں یہی حکم مناسب تھا چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے۔ پس دونوں میں حکمت ہے اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔ یہ اصل میں بدلہ ہے ان کی بُری حرکتوں کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے اُسی عضو پر سزا ہو۔ تاکہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔ اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے حکموں میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کرے اور خدا تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تا وقتیکہ وہ مال جس کا ہے اُسے نہ پہنچائے۔ یا اس کے بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے صرف امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں کہ جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں۔ دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے لایا گیا جس نے چادر چُرائی تھی۔ آپ نے اُس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ میں نے چوری کی ہے۔ تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو۔ انھوں نے توبہ کی آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی (رضی اللہ عنہ)۔ ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر بن سمرہ رضہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہتے ہیں کہ حضرت مجھ سے چوری ہوگئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرالیا ہے آپ نے اُس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیجکر دریافت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ ہمارا ایک اونٹ تو ضرور گم ہوگیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور اُن کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے خدا کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کردیا تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا (رضی اللہ عنہ)۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک عورت نے کچھ زیور چُرا لئے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُسے پیش کیا آپ نے اُس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جب کٹ چکا تو اُس عورت نے کہا یا رسول اللہ کیا مجھ پر توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہوگئیں گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو اس پر آیت فَمَنْ تَابَ الخ نازل ہوئی۔ مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ اُس وقت اُس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں۔ لیکن آپ نے اُسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا یہ عورت مخزوم قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں۔ یہ واقعہ غزوہ فتح مکہ میں ہوا تھا بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید رضہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت عزیز ہیں وہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں۔ حضرت اسامہ رضہ نے جب ان کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گذرا اور غصے سے فرمایا اسامہ تو خدا کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے۔ اب تو حضرت اسامہ رضہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں خدا تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ پہلے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہوگئے کہ اُن میں سے جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اُسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کریں تو میں اُن کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اُس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ رضہ فرماتی ہیں پھر اس صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی۔ اور نکاح کرلیا پھر وہ میرے پاس کبھی اپنے کسی کام کاج کے لئے آتی تھیں اور میں اُس کی حاجت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کردیا کرتی تھی (رضی اللہ عنہا) مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب اُدھار لیتی تھی پھر انکار کرجایا کرتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اور روایت میں ہے یہ زیور اس طرح لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال رضہ کو ہوا تھا کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جو چوری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں فالحمد للہ۔ جمیع ملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ سچا حاکم اللہ ہی ہے جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے۔ اُس کی قدرت کامل اور اُس کا قبضہ سچا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا

اے رسول جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کرتے ہیں آپ کو مغموم نہ کریں خواہ وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم

بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ

ایمان لائے اور ان کے دل یقین لائے نہیں اور خواہ وہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو کہ یہودی ہیں یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں آپ کی باتیں دوسری قوم کی خاطر

لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ

کان دھر دھر کے سنتے ہیں جس قوم کے یہ حالات ہیں کہ وہ آپکے پاس نہیں آئے کلام کو بعد اسکے کہ وہ اپنے موقع پر ہوتا ہے بدلتے رہتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہ

عہ مطلب یہ ہے کہ پھر اس قسم کا جرم کبھی ان سے سرزد نہیں ہوا ۱۲ انظر شاہ کشمیری

مع عنہ المتقدمان

هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ

ہے تب تو اس کو قبول کر لیں اور اگر تم کو یہ حکم نہ ملے تو احتیاط رکھنا۔ اور جس کا خراب ہونا خدا ہی کو منظور ہو تو اس کے لئے اللہ سے

مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا

تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو اُن کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہیں ہوا اُن لوگوں کے لئے دنیا میں

خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑦ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ

رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے سزائے عظیم ہے یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں بڑے حرام کھانے والے ہیں

فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

تو اگر یہ لوگ آپ کے پاس آویں تو خواہ آپ اُن میں فیصلہ کر دیجئے یا اُن کو ٹال دیجئے اور اگر آپ ان کو ٹال ہی دیں تو اُن کی

يَّضُرُّوْكَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں اور اگر آپ فیصلہ کریں تو اُن میں عدل کے موافق فیصلہ کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے

الْمُقْسِطِيْنَ ⑧ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ

محبت کرتے ہیں اور وہ آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر

يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ⑨ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ع ۹

اُس کے بعد ہٹ جاتے ہیں اور یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں ہم نے توریت نازل فرمائی تھی ۱۰

فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ

جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا انبیاء جو کہ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس کے موافق یہود کو حکم دیا کرتے تھے اور اہل اللہ

وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا

اور علماء بھی بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے سو تم بھی لوگوں سے

النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَــمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اندیشہ مت کرو اور مجھ سے ڈرو اور میرے احکام کے بدلے میں متاع قلیل مت لو۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے

فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ①

سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔

قرآنی مضامین کو بدلنا جرم عظیم ہے

ان آیتوں میں اُن لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے جو رائے قیاس اور خواہش نفسانی کو خدا کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں اللہ رسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑ کر بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے، دل کے کھوٹے۔ اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں یہ جھوٹ کو مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں لیکن سچ سے بھاگتے ہیں بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ اور جو لوگ آپ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی وہاں لگاتے ہیں اُن کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں۔ پھر اور ظلم یہ کرتے ہیں کہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں مطلب کچھ ہو لے کچھ اوڑتے ہیں ارادے

یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو طبیعت کے خلاف ہو تو دُور رہو۔ کہا گیا کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اُتری تھی جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا اب کہنے لگے چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں اگر آپ دیت جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص ... کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زناکار کو لے کر آئے تھے ان کی کتاب توراۃ میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے لیکن انھوں نے اُسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر مُنہ کالا کر کے اُلٹا گدھا سوار کر کے رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے جب ہجرت کے بعد اس میں سے کوئی زنا کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں اگر آپ بھی وہی فرمائیں جو ہم کرتے ہیں تو اُسے قبول کر لیں اور خدا کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی۔ اور رجم کو فرمائیں تو نہیں مانیں گے چنانچہ یہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے اُن کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارے ہاں توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا ہم تو اُسے رُسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا جھوٹ کہتے ہو توراۃ میں سنگسار کرنے کا حکم ہے لاؤ تورات پیش کرو۔ انھوں نے تورات کھولی لیکن آیتِ رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ کر سُنائی حضرت عبداللہ رض سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو تو ہٹا ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی اب تو انھیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ رض فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ وہ زانی اُس عورت کو پتھروں سے بچانے کے لئے آڑے آجاتا تھا (بخاری و مسلم) ایک دوسری سند سے ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم تو اُسے کالا مُنہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انھوں نے کہا ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اُسے چھپا لیا تھا۔ جو پڑھ رہا تھا اُسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا جب اُس کا ہاتھ اُٹھایا تو آیت جھلکتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رض بھی موجود تھے۔ اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیجکر آپ کو بلوایا تھا اپنے مدرسہ میں گدی پر آپ کو بٹھایا تھا اور جو تورات آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا وہ اُن کا بہت بڑا عالم تھا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم تورات میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انھوں نے یہی جواب دیا تھا لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا خاموش ہی کھڑا رہا۔ آپ نے اُس کی حالت دیکھ کر خاص اُسے دوبارہ قسم دی اور جواب مانگا اُس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ واقعی تورات میں ان لوگوں کے ذمے سنگساری ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلی اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اُس نے کہا حضرت ہمارے کسی بادشاہ کے رشتہ دار بڑے آدمی نے زنا کی اُس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اُسے رجم نہ کیا۔ پھر ایک عامی آدمی نے بدکاری کی تو اُسے رجم کرنا چاہا لیکن اُس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اُس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑ دو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ الخ اُتری۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں (احمد، ابوداؤد) مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا مُنہ کئے لے جا رہے تھے اور کوڑے بھی مار رہے تھے تو آپ نے بلا کر اُن سے ماجرا پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ نے اُن کے ایک عالم کو بلا کر اُسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفا لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی اور انھیں اس قسم کی سزا دینا ہم نے مناسب نہ جانی اس لئے انھیں تو چھوڑ دیتے تھے اور حکم خداوندی جاری نہ کیا جائے اس لئے غریب غرباء کم حیثیت لوگوں کو رجم کر دیتے تھے پھر ہم نے رائے متفق کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف اور غیر شریف امیر غریب سب پر یکساں جاری ہو سکے چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اجماع ہوا کہ منہ کالے کر دیں اور کوڑے لگائیں۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو۔ چنانچہ انھیں رجم کر دیا گیا۔ اور آپ نے فرمایا اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مُردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ سے هُمُ الْكٰفِرُوْنَ تک نازل ہوئی اُنہی

یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ خدا کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں اور آیت میں ہے فاسق ہیں (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ واقعۂ زنا فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینہ شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھوایا تھا جو عالم ان کا آیا اُس کا نام ابن صوریا تھا یہ آنکھ کا بھینگا تھا اور اُس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انھیں قسم دی تو دونوں نے اقرار کر لیا تھا۔ آپ نے انھیں کہا تھا تمھیں اُس خدا کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لئے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ اُن پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچا لیا تھا اور من وسلویٰ اُتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے لگے بڑی زبردست قسم ہے۔ اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں تو کہا حضورؐ تورات میں یہ ہے کہ بُری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی۔ اور بوسہ لینا بھی اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انھوں نے دخول وخروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا یہی مسئلہ ہے۔ پھر حکم دیا اور انھیں رجم کرا دیا گیا اس پر آیت فَاِنْ جَآءُوْکَ الخ اتری۔ (ابوداود وغیرہ)۔

ایک روایت میں جو دو عالم آپ کے سامنے لائے گئے تھے یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترکِ حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی۔ پھر آپ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی۔ جنھوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انھیں اس برائی میں اس طرح مبتلا دیکھا جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے دراصل تورات وغیرہ کا منگوانا اُن کے عالموں کو بُلوانا بسبب انھیں الزام دینے کے تھا نہ اس لئے تھا کہ وہ اُسی کے ماننے کے مکلف ہیں بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب العمل ہے اس سے مقصد ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا اظہار تھا کہ خدا کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی تورات میں بھی حکمِ رجم موجود ہے اور یہی نکلا۔ دوسرے اُن کی رسوائی کہ انھیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمانِ خدا کے چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ اسی لئے نہیں آئے تھے کہ آپ کی حکمبرداری کریں گے بلکہ محض اس لئے آئے تھے کہ اگر آپ سے بھی اپنی طبع کے موافق پائیں گے تو لے لیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے۔ اس لئے فرمان ہے کہ جسے خدا گمراہ کر دے تو ان کی . . . ہدایت کا ذمہ دار نہیں ہے ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ خدا کا نہیں ہے۔ یہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں گے آخرت میں دائمی عذاب ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں۔ اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں۔ بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں خدا کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر۔ اگر تو ان سے منہ پھیرے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے آیت وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ سے پھر فرمایا اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل وانصاف کے ساتھ کر۔ گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور جان رکھ کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔ پھر ان کی خباثت، بدباطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ایک طرف تو اُس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں دوسری طرف اُس جانب جھک رہے ہیں جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ مشہور کر رکھا ہے اور پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے تو لے لیں گے ورنہ چھوڑ دیں گے۔ تو فرمایا یہ کیسے تیری حکمبرداری کریں گے؟ انھوں نے تو تورات کو بھی چھوڑ رکھا ہے جس میں حکم اللہ ہونے کا اقرار انھیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اُس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس تورات کی مدحت وتعریف بیان فرمائی جو اُس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اُس میں ہدایت ونورانیت تھی۔ انبیا جو خدا کے زیر فرمان تھے اسی پر فیصلہ کرتے رہے یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے۔ تبدیل تحریف سے بچے رہے اور ربانی یعنی عابد علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے کیونکہ انھیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا

انھیں حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر گواہ وشاہد تھے۔ اب تمھیں چاہیئے کہ بجز خدا کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لمحہ لمحہ پر خوفِ خدا رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے سے مول پر فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ خدا کی وحی کو جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے انشاءاللہ۔ ان آیتوں کا ایک اور شانِ نزول بھی سُن لیجئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا، دوسری میں ظالم، تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک غالب تھا، دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز شخص کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آرہا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلواؤ۔ وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے ایک ہی دین کے، ایک ہی نسب کے، ایک ہی شہر کے۔ پھر ہماری دیت کم اور تمھاری زیادہ۔ ہم چونکہ اب تک تمھارے سے دبے ہوئے تھے اس ناانصافی کو بادلِ ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عادل بادشاہ یہاں آگئے ہیں ہم تمھیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دیتے ہو اس بات پر ادھر اُدھر سے آستینیں چڑھ گئیں۔ پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سونپ دیا جائے لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے اپنے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھ داروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی ناانصافی کا حکم کریں یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اُسے منظور کیا تھا۔ اب جو تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم اور ثالث مقرر کیا تو یقیناً تمھارا یہ حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو کسی کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چپکے سے بھیج دو وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے ہاں اگر ہماری موافقت میں ہو تو بہت اچھا چلو اور اُن سے حق حاصل کر آؤ۔ اور اگر خلاف ہو تو بس پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینے کے چند منافقوں کو انھوں نے جاسوس بنا کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ یہاں وہ پہنچیں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اُتار کر اپنے رسولؐ کو ان دونوں فرقوں کے بد ارادوں سے مطلع فرما دیا (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے۔ بنو نضیر کی پوری دیت تھی اور بنو قریظہ کی آدھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی دیت برابر یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اور روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اُس سے قصاص لیتے تھے لیکن اُس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سو وسق دیت تھی، یہ بہت ممکن ہے کہ اِدھر یہ واقعہ ہوا اُدھر زنا کا قصہ واقع ہوا جس کا تفصیلی بیان پہلے گذر چکا ہے۔ اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں واللہ اعلم۔ ہاں ایک بات اور ہے جس سے دوسرے شانِ نزول کو تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا الخ یعنی ہم نے یہودیوں پر تورات میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض میں جان، آنکھ کے عوض میں آنکھ الخ واللہ اعلم۔ پھر انھیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اُس کی اُتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلے اور حکم نہ کریں۔ گو یہ آیت شانِ نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہلِ کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اُتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعود رضہ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی رحمہ فرماتے ہیں جس نے وحیِ خدا کے خلاف عمداً فتویٰ دیا باوجود جاننے کے اس کا خلاف کیا وہ کافر ہے۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں جس نے خدا کے فرمان کا انکار کیا اُس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق بھی نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہلِ کتاب ہو، خواہ کوئی بھی ہو۔ شعبی رحمہ فرماتے ہیں مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں اُس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے۔ طاؤس رحمہ فرماتے ہیں کہ اس کا کفر اُس

کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے خدا و رسول قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو۔ عطاؒ فرماتے ہیں کفر کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے نکل جانے والا نہیں ہو جاتا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ

اور ہم نے ان پر اس میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے

وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ

اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ

كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

اس کے لئے کفارہ ہو جاوے گا۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں

قصاص کا حکم

یہودیوں کو اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ اُن کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اُس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اُسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنو نضیر کے یہود کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انھوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں اسی لئے تو وہاں انھیں کافر کہا۔ یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انھیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وَالْعَيْنُ پڑھنا بھی مروی ہے (ابوداؤد وغیرہ) علمائے کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جو ہمارے سامنے بطور تقریر کے بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو جائے تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں امام نووی رحؒ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو یہی جو بیان ہوا ایک اس کے بالکل برخلاف ایک یہ کہ ابراہیمی شریعت صرف جاری اور باقی ہے اور کوئی باقی نہیں اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں لفظ النفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔ بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اُس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحؒ تو فرماتے ہیں کہ ذمی کافر کے قتل کے بدلے میں بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا اور سلف کے بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جاتا تھا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعی رحؒ تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحؒ کے خلاف اجماع ہے۔ لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان لازم نہیں آتا تا وقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت انس بن نضرؓ کی پھوپی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے۔ اب لوگوں نے اُس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ آیا آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیدیا۔ اس پر حضرت انس بن نضرؓ نے فرمایا کیا اس عورت کے سامنے دانت توڑے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اے انس خدا کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں

یارسول اللہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اُس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ وہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اُس وقت آپ نے فرمایا بعض بندگانِ خدا ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ خدا پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اُسے پوری ہی کر دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلے انھوں نے نہ تو معافی دی نہ دِیَت لینی منظور کی۔ نسائی وغیرہ میں ہے ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے اُن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں مال ہمارے پاس نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پر کوئی جرمانہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ آپ نے دِیَت اپنے پاس سے دیدی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن سے سفارش کر کے معاف کرالیا ہو۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی۔ آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی۔ ناک کاٹنے والے کی ناک کاٹ دی جائے گی۔ دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا۔ اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں جب کہ یہ کام قصداً کئے گئے ہوں اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔

قاعدہ۔ اعضا کا کٹنا کبھی تو جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے جیسے ہاتھ پیر قدم ہتھیلی وغیرہ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں ان کی بابت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضا میں اس لئے کہ وہ خوف و خطرے کی جگہ ہے۔ ان کے برخلاف حضرت ابوحنیفہ رح اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں بجز دانت کے۔ اور امام شافعی رح کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطاب رضہ اور حضرت ابن عباس رضہ سے بھی۔ اور یہی کہتے ہیں عطا شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور عمر بن عبدالعزیز بھی۔ اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد رضہ بھی۔ امام احمد سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ رح کی دلیل وہی حضرت انس رضہ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ لیکن در اصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بغیر ٹوٹے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے تلوار مار دی جس سے اُس کی کلائی کٹ گئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا۔ آپ نے حکم دیا کہ دِیَت ادا کرو۔ اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسی کو لے اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے اس کے ایک راوی جشم بن عکلی اعرابی ضعیف ہیں ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی دوسرے راوی غوان بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں۔ اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوائیے آپ نے دلوا دیا۔ اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ میں تو لنگڑا ہو گیا آپ نے فرمایا میں نے تو تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا اب تیرے اس لنگڑے پن کا کچھ بدلہ نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے سے منع فرمایا۔ **مسئلہ** اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اُس سے لیا گیا اس میں وہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ مالک رح شافعی رح احمد رح اور جمہور صحابہ رضہ و تابعین رح کا یہی قول ہے۔ ابوحنیفہ رح کا قول ہے کہ اُس پر دِیَت واجب ہے اُسی کے مال میں سے بعض اور بزرگ فرماتے ہیں اُس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دِیَت واجب ہے۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں بقدر اُس کے بدلے تو ساقط ہے باقی اُسی کے مال میں سے واجب ہے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص قصاص سے درگذر کرے

اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا۔ اور جو زخمی ہوا ہے اُسے ثواب ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کفارہ ہے زخمی کے لئے یعنی اس کے گناہ اُسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے ایک مرفوع حدیث میں یہ آیا ہے کہ اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اُس نے درگذر کر لیا تو اُس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں تلث ہے تو تہائی گناہ آدھی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دیدیا جس سے اُس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہ رضہ کے پاس مقدمہ گیا۔ اور جب اس نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضہ وہیں تھے فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذا پہنچائی جائے اور وہ صبر کرے بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اُس کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔ اُس انصاری نے یہ سُن کر کہا کیا سچ سچ آپ نے خود ہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سُنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ان کانوں نے سُنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے۔ اُس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہ رضہ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور اُسے انعام دیا (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے لیکن بقول امام ترمذیؒ یہ حدیث غریب ہے۔ ابوسفر راوی کا ابو درداء رضہ سے سُننا ثابت نہیں اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوتا تھا اُس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص خون یا اُس سے کم معاف کر دے وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے۔ مسند میں ہے کہ جس شخص کے جسم پر کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اُتنے ہی گناہ معاف فرماتا ہے۔ مسند میں بھی یہ حدیث ہے خدا کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں پہلے گذر چکا کہ کفر کفر کم ہے ظلم اور ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے

وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت تھی اور روشنی تھا اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔ اور انجیل والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم

فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾

کیا کریں اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں

توراۃ و انجیل

انبیائے بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰؑ نبی کو لائے جو توراۃ پر ایمان رکھتے تھے اُس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے ہم نے انھیں بھی اپنی کتاب انجیل دی جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور اگلی خدائی کتابوں کی موافقت تھی ہاں چند مسائل جن میں یہودی مختلف تھے اُن کے صاف فیصلے اُس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اسی لئے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور بُرائی سے بچیں۔ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے

حضرت عیسیٰ ؑ کو انجیل اس لئے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے میں اپنے ماننے والوں کو اُسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے۔ اور مشہور قراۃ وَ لْیَحْکُمْ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انھیں چاہئے کہ انجیل کے احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق حکم کریں جیسے اور آیت میں ہے قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ الخ یعنی اے اہلِ کتاب جب تک تم تورات وانجیل پر اور جو کچھ خدا کی طرف سے اُترا ہے اُس پر قائم نہ ہو تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور آیت میں ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الخ جو لوگ اُس رسول نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتے ہیں جس کی صفت اپنے ہاں تورات میں لکھی ہوئی پاتے ہیں الخ وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اطاعت خدا سے خارج حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں۔ یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گذر چکا ہے۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ

اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کی محافظ ہے تو ان کے باہمی

بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ

معاملات میں اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے خاص

شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ

شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا تاکہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تم سب کا امتحان کرے

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵﴾

تو مفید باتوں کی طرف دوڑو تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے

وَاَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ

اور ہم (مکرر) حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عملدرآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی انکی اس بات سے احتیاط رکھئے

عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ

بھیجے ہوئے کسی حکم سے بھی بچلا دیں پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو یہ یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر

بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۶﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِیَّةِ

ان کو سزا دیں اور زیادہ آدمی تو بے حکم ہی ہوتے ہیں یہ لوگ پھر کیا زمانہ جاہلیت کا

یَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۷﴾

ع ۷ / ۱۱

فیصلہ چاہتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔

عظمت قرآن

تورات وانجیل کی ثنا وصفت اور تعریف و مدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے یقیناً یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُسی کا کلام ہے یہ تمام سابقہ آسمانی کتابوں کو سچا بتاتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان اُن میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُترے گی پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اُسے مانتا ہے جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ الخ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب اُن کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی

ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں ط۔ اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا اُس نے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول انبیاء کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) آ ہی گئے۔ اور یہ کتاب ان اگلی کتابوں کی امین ہے یعنی اس میں جو جو بھی اگلی کتابوں میں تھا اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں مل کر تھیں وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں۔ اسی لئے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود خدائے تعالیٰ ہے جیسا فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ بعضوں نے کہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امین ہیں اس کتاب پر۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربیت کے اعتبار سے بھی یہ محل نظر ہے صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔ امام ابن جریرؒ نے بھی حضرت مجاہدؒ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے یہ بہت بعید بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لئے مُهَيْمِنٌ کا عطف مصدق پر ہے پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا اگر حضرت مجاہدؒ کے معنی صحیح مان لئے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہئے تھی۔ پس اے نبی آپ ان میں سب میں خدا کی اس کتاب کے احکام پھیلایئے خواہ عرب ہوں خواہ عجم ہوں خواہ لکھے پڑھے ہوں خواہ بے پڑھے ہوں۔ خدا کے نازل کردہ سے مراد وحی خدا ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں خواہ جو اگلے احکام خدا نے آپ کے لئے مقرر رکھے ہوں۔ ابن عباس رضہ فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی خدا کے ساتھ ان میں فیصلے کرانے ضروری ہیں ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لئے ہیں اور اُن کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے خبردار اے نبی تو ان کی خواہشات کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے کسی چیز کی طرف ابتدا کرنے کو شِرْعَۃ کہتے ہیں مِنْہَاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے اگلی تمام شریعتیں جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھیں وہ سب توحید پر تو متفق تھیں البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا جیسے حدیث شریف میں ہے ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں ہم سب کا دین ایک ہے۔ ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اُس کا ثبوت اور اُسی کی طرف دعوت ہوتی رہی۔ جیسے قرآن فرماتا ہے کہ تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے اُن سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیت میں ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا الخ ہم نے ہر اُمت کو بزبانِ رسول کہلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو ہاں احکام کا اختلاف ضرور رہا کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہو گئی یا اس کے برعکس۔ یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہو گئی یا اس کے خلاف۔ اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجتِ خداوندی کے ساتھ۔ پس توراۃ مثلاً ایک شریعت ہے انجیل ایک شریعت ہے قرآن ایک مستقل شریعت ہے۔ تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی۔ اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے اُمتِ محمد تم میں سے ہر شخص کے لئے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری کرنی چاہئے اس صورت میں جَعَلْنَا کے بعد ضمیرہٗ کی محذوف ماننی پڑے گی پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور بس۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب اُمتوں سے ہے اور اس میں خدائے تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی لیکن رب کی حکمتِ کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے یہاں تک کہ تمام اگلے دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین

ط مطلب یہ ہے کہ اس کی عظمت سے ان کا قلب مجبور ہو جاتا ہے ٹھوڑیوں کے بل گرنا گویا کہ اس عظمت کا عملی اعتراف ہے۔ بہرحال مقصود یہ ہے کہ عظمت قرآن کے قائل ہوتے ہیں کچھ ٹھوڑیوں کے بل گرنا ضروری نہیں ۱۲ انظر شاہ کشمیری +

کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیا ء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لئے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت چاہئے اللہ کی اطاعت اُس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہیے اور اس آخری شریعت اور آخری کتاب اور آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بدل وجان حکمبرداری کرنی چاہیے۔ لوگو! تم سب کا مرجع وماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا۔ سچوں کو اُن کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بُروں کو اُن کی تکذیب سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا جو حق کو مانتا تو ایک طرف اور حق سے چڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔

ضحاکؒ کہتے ہیں مراد اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اُس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ دیکھو کہیں ان خائن مکار کذاب کفار یہود کی باتوں میں آکر کسی خدائی حکم سے ادھر اُدھر نہ ہو جانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے رُوگردانی کریں اور شریعت کا خلاف کریں تو تُو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے خدا کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے۔ اسی لئے توفیقِ خیر ان سے چھین لی گئی ہے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعتِ حق سے خارج' دینِ خدا کے مخالف' ہدایت سے دُور ہیں۔ جیسے فرمایا وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی آپ کتنا ہی چاہیں لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں اور فرمایا وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہِ خدا سے بہکا دیں گے یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حاضرِ حضور ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کرلیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لئے تیار ہیں آپ صرف اتنا کیجئے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اُس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجئے آپ نے انکار کر دیا۔ اور اسی پر یہ آیتیں اُتریں۔ اس کے بعد جناب باری اُن لوگوں پر انکار کر رہا ہے جو خدا کے حکم سے ہٹ جائیں جس میں تمام بھلائیاں موجود ہیں اور تمام بُرائیاں دور ہیں۔ ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف خواہش نفسانی کی طرف اور ان کے احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لئے ہیں جیسے کہ اہلِ جاہلیت اپنی جہالت وضلالت اپنی رائے سے اور اپنی مرضی کے مطابق احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خانی احکام کی پیروی کرتے تھے جنھیں الیاسق نے گھڑ دیئے تھے۔ وہ بہت سے احکام کے مجموعے کے دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔ یہودیت' نصرانیت' اور اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے جو صرف اپنی عقل اور رائے اور دقتِ نظر سے ایجاد کئے گئے تھے جن میں اپنی خواہش کی پیروی تھی بس وہی مجموعہ اُن کی اولاد کے لئے قابلِ عمل ٹھیر گئے اور اُسی کو کتاب وسنت پر فوقیت اور ترجیح دے لی۔ درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کی طرف آجائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب وسنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم خدا سے ہٹ رہے ہیں؟ یقین والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکمراں اور کارفرما کون ہوگا' اللہ سے زیادہ عدل وانصاف والے احکام کس کے ہوں گے ایماندار اور یقینِ کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے' صاف' سہل اور عمدہ احکام وقواعد مسائل وضوابط کسی کے کبھی نہیں ہو سکتے وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے وہ پورے اور پختہ علم والا کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل وانصاف والا ہے۔ حضرت حسن رح فرماتے ہیں خدا کے فیصلے بغیر جو فتویٰ دے اُس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے بڑا دشمنِ خدا وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے

یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے زیادت کے ساتھ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت بنانا وہ ایک دوسرے کے دوست

بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ① فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ

ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں اسی لئے تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان میں

فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ

گھستے ہیں کہتے ہیں کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہم پر کوئی حادثہ پڑ جاوے سو قریب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل فتح

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ظہور فرما دے یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے پھر اپنے پوشیدہ دلی خیالات پر

نٰدِمِيْنَ ② وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ

نادم ہوں گے اور مسلمان لوگ کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے بڑے مبالغہ سے قسمیں

جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ③

کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان لوگوں کی ساری کارروائیاں غارت ہو گئیں جس سے ناکام رہے۔

دشمنانِ خدا سے دوستی اور تعلق ایمان کی کمزوری ہے

دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی اللہ تبارک و تعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض و عداوت ہے ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستی اور محبت ہے۔ میرے نزدیک جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰؓ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عبداللہ ابن عتبہ نے فرمایا لوگو! تمہیں اس سے بچنا چاہئے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم خدا کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے ابن عباسؓ سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو آپ یہی آیت تلاوت کر دیتے ہیں۔ جن کے دل میں کھوٹ ہے وہ بڑھ کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز و باز اور محبت و مودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہمارے تکے بوٹیاں کر دیں گے اس لئے ہم ان سے بھی میل ملاپ رکھتے ہیں، ہم کیوں کسی سے بگاڑیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دیدے۔ پھر تو یہ منافقین جو آج بڑھ بڑھ کر سازشیں کرتے پھرتے ہیں بڑے پچھتانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں کھو دیا جو کیا تھا اور برباد ہو گئے۔ وَيَقُوْلُ تو جمہور کی قرأت ہے ایک قرأت بغیر واؤ کے بھی ہے اہل مدینہ کی یہی قرأت ہے يَقُوْلُ تو مبتدا ہے اور دوسری قرأت اس کی يَقُوْلَ

ہے تو یہ عَسیٰ الخ پر عطف ہوگا گویا وَ اَنْ یَّقُوْلَ ہے۔

شانِ نزول اہل مدینہ کے نزدیک ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ جنگ اُحد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تاکہ موقعہ پر مجھے نفع پہنچے۔ دوسرے نے کہا میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں اُس سے دوستی کرکے اُس کی مدد کروں گا اس پر یہ آیتیں اُتریں۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں لبابہ بن عبد المنذر کے بارے میں یہ آیتیں اُتریں۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تھا تو انھوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرادیں گے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبد اللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں اُتری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں مجھے اللہ و رسول کی دوستی کافی ہے اس پر اس منافق نے کہا میں آگا پیچھا سوچنے کا عادی ہوں مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا نہ جانیں کس وقت کیا موقع پڑ جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ تو عبادہؓ سے بہت ہی گھاٹے میں رہا۔ اس پر یہ آیتیں اُتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ تمھاری درگت ہو اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کرلو انھوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں فتحمندی حاصل کرکے کہیں تم مغرور نہ ہوجانا ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو تمھیں معلوم کرادیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہ رضؓ اور عبد اللہ بن اُبی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہوچکا۔ جب یہودیوں کے اس قبیلے سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل خدا یہ غالب آگئے تو اب عبد اللہ آپ سے کہنے لگا حضور میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجیے۔ یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اُس نے پھر کہا آپ نے مُنہ موڑ لیا۔ یہ آپ کے دامن سے لٹک گیا۔ آپ نے غصے سے فرمایا کہ چھوڑ دے اُس نے کہا نہیں یا رسول اللہ میں نہ چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں ان کی بڑی جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فنا کے گھاٹ اُتر جائیں گے مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا بڑا کھٹکا ہے۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاوہ سب تیرے لئے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اور خدا نے انھیں نیچا دکھایا تو عبد اللہ بن اُبی تو اُن کی حمایت حضورؐ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انھوں نے اُن سے صاف برأت ظاہر کی۔ اس پر یہ آیتیں هُمُ الْغٰلِبُوْنَ تک اُتریں۔ مسند احمد میں ہے کہ اس منافق عبد اللہ بن اُبی کی عیادت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے روکا۔ تو اس نے کہا سعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا وہ بھی مر گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ

اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور

يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اُن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے ہیں

عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ

بڑے علم والے ہیں۔ تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں،

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

اور ایماندار لوگوں سے سو اللہ کا گروہ بلا شک غالب ہے

ع ۸ ۱۲

ارتداد

اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا اللہ تعالیٰ ایسوں کے بدلے اُن لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے جیسے اور آیت میں ہے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا الخ اور آیت میں ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۝ اور جگہ فرمایا وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتداد کہتے ہیں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعب رح فرماتے ہیں یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اُتری ہے۔ حسن بصری رح فرماتے ہیں خلافت صدیقی میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے اُن کا حکم اس آیت میں ہے جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ ہو رہا ہے اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلوں کے ہیں ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے اُن پر بھاری پڑنے والے اور اُن پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں میں ہے کہ آپ ضحوک تھے اور قتال تھے یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ، خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو، سچے مسلمان راہ خدا میں جہاد سے منہ نہیں موڑتے نہ پیٹھ دکھاتے ہیں، نہ تھکتے ہیں، نہ بزدلی، نہ آرام طلبی کرتے ہیں، نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں، نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں، وہ برابر اطاعت خدا میں اُس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات

حضرت ابو ذر رض فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنے اور ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کا۔ اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے کا۔ اور صلہ رحمی کرتے رہنے کا گو دوسرے نہ کرتے ہوں۔ اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے کا۔ اور حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا۔ اور بکثرت لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھنے کا۔ کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے (مسند احمد) اور روایت میں ہے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ نے مجھے نصیحت کی ہے اور سات مرتبہ میں اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں خدا کے دین کے بارے میں کسی بد گو کی بد گوئی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو۔ یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اُتر کر لے لینا (مسند احمد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کی ہیبت میں آکر حق گوئی سے نہ رکنا۔ یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے، نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو امام احمدؒ کی مسند۔ فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ سن کر اپنے تئیں کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ خدا کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی اسوقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چُپکا ہو گیا تو جناب باری فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے خلافِ شرع امر دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے مومن کو نہ چاہیئے کہ خود کو ذلت میں ڈالے صحابہؓ نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے لے جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو پھر فرمایا اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے یعنی کمال ایمان کی یہ صفات خدا ہی کا عطیہ ہیں اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسولؐ اور مومنوں سے تعلق رکھنا چاہیے۔ مومن بھی وہ جن میں یہ صفات ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف خدا کا حصہ ہے) اور زکوٰۃ ادا کرتے ہوں جو اللہ کے ضعیف اور مسکین بندوں کا حق ہے آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو ثابت یہ ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل نہیں ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نماز کی رکوع میں تھے جو ایک سائل آگیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر اُسے دیدی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علیؓ ہیں اس پر یہ آیت اتری ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں پس یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ اور صحیح نہیں ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بارہ میں نازل ہوئیں ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑ دی اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کی دوستی پر راضی ہو گئے اسی لئے ان تمام آیتوں کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی رکھے وہ خدائی لشکر میں داخل ہے اور یہی خدائی لشکر غالب ہے جیسے فرمان باری ہے كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ الخ یعنی اللہ تعالیٰ یہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے خدا پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو خدا رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی نہ پائیگا گو وہ باپ بیٹے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگ ہوں یہی ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے انھیں اللہ تعالیٰ اُن جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے رب ان سے راضی ہے یہ خدا سے خوش ہیں یہی خدا کے لشکر ہیں اور خدا ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے پس جو بھی خدا اور اس کے رسول اور مومنوں کے تعلق پر رضا مند ہو جائے وہ دنیا میں کامیاب ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے اسی لئے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اے ایمان والو جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے ان کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو۔

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ (۵۸)

اور جب تم نماز کے لئے اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ ہنسی اور کھیل کرتے ہیں یہ اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے

دین کے ساتھ استہزا

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا تم ان سے تعلق کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کو ہنسی میں اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں مِنْ بیانِ جنس کے لئے ہے جیسے الْأَوْثَانِ میں۔ بعضوں نے وَالْكُفَّارِ پڑھا ہے اور عطف کیا ہے بعضوں نے وَالْكُفَّارَ پڑھا ہے اور لَا تَتَّخِذُوا کا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت وَلَا الْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ہوگی کفار سے مراد مشرکین ہیں ابن مسعودؓ کی قرأت میں مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا۔ اللہ سے ڈرو اور ان سے تعلق نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو یہ تو تمہارے دین کی اور شریعت کی دشمنی کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمایا لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الخ۔ مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے تعلق نہ کریں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب بھی اور مشرک بھی اس وقت مذاق اڑاتے ہیں جب تم نماز کے لئے پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے لیکن یہ بے وقوف اتنا بھی نہیں جانتے اس لئے کہ یہ متبع شیطان ہیں اور اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی گوز مارتا ہوا دُم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے جہاں اذان کی آواز نہ آئے اس کے بعد آجاتا ہے پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آکر بہکانے میں لگ جاتا ہے انسان کو بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعتیں پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ سجدے سہو کے کرے (متفق علیہ) امام زہریؒ فرماتے ہیں اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے پھر یہی آیت تلاوت کی۔ ایک نصرانی مدینے میں تھا اذان میں جب أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللَّهِ سنتا تو کہتا "کذاب جل جائے" ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی کوئی پتنگا اڑا جس سے گھر میں آگ لگ گئی وہ شخص اور اس کا سب گھر بار جل کر خاک ہو گیا۔ فتح مکہ والے سال حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا، قریب ہی ابو سفیان بن حرب، عتاب بن اسید، حارث بن ہشام بیٹھے ہوئے تھے، عتاب نے تو اذان سن کر کہا میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا، حارث کہنے لگا کہ اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی لیتا۔ ابو سفیان نے کہا بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا، ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں، انھوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں جو حضورؐ آگئے اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ باتیں کہی ہیں یہ سن کر عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں ورنہ ہم یہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ سے کہہ دیا ہوگا (سیرۃ محمد بن اسحاق) حضرت عبداللہ بن محیریز جب شام کے سفر میں جانے لگے تو حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے جن کی گود میں انھوں نے ایام یتیمی بسر کئے تھے کہا کہ آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجئے، فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین سے واپس آ رہے تھے راستے میں ہم لوگ ایک جگہ تھے اور نماز کے وقت حضورؐ کے مؤذن نے اذان کہی، ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں، سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے اور سب کو تو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا اٹھو اور اذان کہو۔ واللہ اس وقت حضورؐ کی ذات سے آپ کی تکلیف دہی کا زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا کھڑا ہو گیا اب خود آپ نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ سکھاتے

رہے میں کہتا رہا (پھر اذان پوری بیان کی) جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپؐ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چاندی تھی پھر اپنا دستِ مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے پھر فرمایا اللہ تجھ میں اور تجھ پر برکت دے اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے عداوتِ رسولؐ بالکل جاتی رہی اور بجائے اس کے ایسی ہی محبت حضورؐ کی دل میں پیدا ہو گئی میں نے آرزو کی کہ مکہ کا موذن حضورؐ مجھکو بنا دیں آپؐ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکہ چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسید سے مل کر موذنی پر مامور ہو گیا حضرت ابو محذورہ کا نام سمرہ بن مغیرہ بن لوذان تھا حضورؐ کے چار موذنوں میں سے ایک آپ تھے اور مدت تک آپ اہل مکہ کے موذن رہے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ

آپ کہیئے کہ اے اہل کتاب تم ہم میں کونسی بات معیوب پاتے ہو بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہماری پاس بھیجی گئی ہے اور اس پر

مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ

جو پہلے بھیجی جا چکی ہے باوجود اس کے کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں آپ کہیئے کہ کیا میں تم کو ایسا طریقہ بتلاؤں جو اس سے بھی خدا کے یہاں پاداش ملنے میں زیادہ برا ہو

لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ

وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انھوں نے شیطان کی پرستش کی ہو ایسے اشخاص

شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا

مکان کے اعتبار سے بھی بہت برے ہیں اور راہ راست سے بھی دور ہیں اور جب یہ لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ

حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جس کو یہ پوشیدہ رکھتے ہیں۔ اور آپ انمیں بہت آدمی ایسے

يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾

دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر گرتے ہیں۔ واقعی اُن کے یہ برے کام ہیں۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

اُن کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام مال کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے۔ واقعی اُن کی یہ عادت بُری ہے۔

کفار مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں

حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین کا مذاق اُڑاتے ہیں اُن سے کہو کہ تم نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے نہ سبب مذمت یہ استثناء منقطع ہے اور آیت میں ہے: وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ الخ یعنی فقط اس وجہ سے اُنھوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ وہ اللہ عزیز و حمید کو مانتے تھے اور جیسے اور آیت میں ہے وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ یعنی اُنھوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں خدا نے اپنے فضل سے اور رسولؐ نے مال دیکر غنی کر دیا ہے بخاری مسلم کی حدیث میں ہے ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اُسے غنی کر دیا اور یہ کہ تم میں کے اکثر صراط مستقیم سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ خدا کے پاس بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں یعنی جسے خدا نے لعنت کی ہو اپنی رحمت سے دور ڈالدیا ہو اس پر غضب ناک ہوا ہو ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہونے کا اور جن میں سے

بعضوں کی صورتیں بگاڑ دی ہوں، بندر اور سور بنا دئیے ہوں اس کا پورا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے حضورؐ سے سوال ہوا کہ کیا
یہ بندر سور وہی ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا جس قوم پر خدا کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے ان کی نسل ہی نہیں ہوتی ان سے پہلے بھی سور اور بندر
تھے یہ روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے مسند میں ہے کہ جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی جیسے کہ بندر
اور سور بنا دئیے گئے تھے یہ حدیث بہت ہی غریب ہے، انہی میں سے بعضوں کو غیر اللہ کے پرستار بنا دئیے ایک قرأت میں اضافت
کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے یعنی انہیں بتوں کے غلام بنا دے حضرت بریدہ اسلمیؒ اسے عَابِدُ الطَّاغُوتِ پڑھتے تھے۔
حضرت ابوجعفر قاری سے وَعُبِدَ الطَّاغُوتُ بھی منقول ہے پھر اس کے معنی میں دوری پڑ جاتی ہے لیکن فی الواقع دوری بھی
نہیں مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو جن میں طاغوت کی عبادت کی گئی الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری
کرتے ہو حالانکہ ہم موحد ہیں صرف ایک خدائے برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ یہ سب باتیں تم میں پائی گئیں اسی
لئے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار اپنی حیثیت کے بہت بڑے ہیں اور باعتبار راستی پر ہونے کے بہت دور کی غلط راہ پر پڑے ہوئے
ہیں اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ بھی مشارکت یہاں سرے سے ہے ہی نہیں جیسے اس آیت میں اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ
مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۔ پھر منافقوں کی ایک بدخصلت بیان ہو رہی ہے کہ ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے اظہار ایمان
کرتے ہیں اور باطن ان کے کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس آتے ہیں تو کفر کی حالت میں، اور تیرے پاس سے جاتے ہیں تو اسی حالت
میں تیری باتیں تیری نصیحتیں ان پر کچھ بھی تو اثر نہیں کرتیں بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی جس سے کام پڑتا ہے وہ تو عالم الغیب
ہے دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا تو دیکھ رہا ہے کہ یہ گناہوں پر حرام پر اور باطل کے ساتھ
لوگوں کے مال لینے پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے
علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان علماء اور پیروں کے اعمال بھی بدترین ہو گئے ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں
کہ علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لئے اس سے زیادہ سخت آیت قرآن میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت ضحاکؒ سے بھی یہی طرح منقول
ہے حضرت علیؓ نے اپنے ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! تم سے اگلے لوگ اسی بنا پر ہلاک کر دیے گئے کہ وہ
برائیاں کرتے تھے اور ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے جب یہ عادت ان میں پڑ گئی تو خدا نے انہیں قسم قسم کی
سزائیں دیں پس تمہیں چاہئے کہ بھلائی کا حکم کرو، برائی سے روکو اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آجائیں جو تم سے پہلے
والوں پر آئے یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا نہ تمہاری موت قریب
کر دے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس قوم میں کوئی خدا کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے
کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ ہٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا (مسند احمد) ابوداؤد میں ہے
کہ یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آپڑے گا۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ

اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے ان ہی کے ہاتھ بند ہیں اور ان کے اس کہنے سے یہ رحمت سے دور کر دیے گئے

مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا

بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور یہ مضمون جو آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب

وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ

ہو جاتا ہے اور ہم نے ان میں باہم قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں

أَطْفَأَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

حق تعالیٰ اُس کو فرو کر دیتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ

اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی بُرائیاں معاف کر دیتے اور ضرور اُن کو چین کے باغوں میں

النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا

داخل کرتے اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی

مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾

کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے ان میں ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور زیادہ اُن میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت بُرے ہیں۔

ع ۹

یہودی کی ہرزہ سرائی

ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول بیان فرما رہا ہے کہ یہ خدا کو بخیل کہتے تھے یہی لوگ خدا کو فقیر بھی کہتے تھے۔ اللہ کی ذات اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں سے مطلب اُن کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مُراد اس سے بخل تھا یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے فرماتا ہے لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ الخ یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تھکان اور ندامت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے پس بخل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا۔ پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ بندھا ہوا ہونے سے یہی مُراد تھی فنحاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دُوسرا قول بھی تھا کہ خدا فقیر ہے اور ہم غنی ہیں جس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے اُسے پیٹا تھا ایک روایت میں ہے کہ شاس بن قیس نے یہی کہا تھا جس پر یہ آیت اتری۔ اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں یہ ذلیل تر لوگ ہیں بلکہ خدا کے ہاتھ کھلے ہیں وہ بہت کچھ خرچ کرتا رہتا ہے اس کا فضل وسیع ہے اس کی بخشش عام ہے ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں ہر نعمت اس کی طرف سے ہے ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ تم نے جو مانگا اللہ نے وہ دیا اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے مُسند میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ بھرا ہے دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں شروع سے لیکر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی اس کا عرش پہلے پانی پر تھا اسی کے ہاتھ میں فیض ہے یا قبضہ ہے، وہی بلندی اور پستی کرتا ہے اس کا فرمان ہے کہ لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو تم دیئے جاؤ گے بخاری مسلم میں بھی یہ حدیث ہے پھر فرمایا جس قدر خدا کی نعمتیں اے نبی تیرے پاس بڑھیں گی اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور بڑھے گا ٹھیک اسی طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ الخ ایمان والوں کے لئے تو یہ ہدایت و شفا ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہیں یہی ہیں جو دور دراز سے پکارے جاتے ہیں اور آیت میں ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ الخ ہم نے وہ قرآن اُتارا ہے جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و حسد بھی قیامت تک ختم نہیں ہوگا ایک دوسرے کے آپس میں ہی خون پینے والے یہ لوگ ہیں نا ممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں یہ اپنے ہی دین میں فرقے فرقے ہو رہے ہیں جھگڑے اور عداوتیں ان میں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہیں اور

جاری ہی رہیں گی یہ لیسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں جو طرف ایک آگ تیرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں اُن کا مکر اُن ہی پر لوٹ جاتا ہے یہ مُفسد لوگ ہیں اور خدا کے دشمن ہیں کسی مُفسد کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا اگر یہ با ایمان اور پرہیزگار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کردیں اور مقصود سے انھیں ملا دیں ۔ اگر یہ توراۃ و انجیل اور اس قرآن کو مان لیں، کیونکہ توراۃ و انجیل کا ماننا اس قرآن کے ماننے کو لازم کردے گا ان کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے اس کی اور نبی آخر الزماں صلعم کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی کتابوں کو بغیر تحریف و تبدیل اور تاویل و تغییر کے مانیں تو وہ انھیں اسی اسلام کی ہدایت کریں گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتلاتے ہیں اس صورت میں خدا انھیں دنیا کے فائدے بھی دے گا اور آسمان سے پانی برسائے گا زمین سے پیداوار اُگائے گا نیچے اوپر کی یعنی زمین آسمان کی برکتیں اُنھیں مل جائیں گی جیسے اور آیت میں ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الخ یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں نازل فرماتے اور آیت میں ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو پڑا اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشکل کے ہم انھیں بکثرت با برکت روزیاں دیتے بعضوں نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرنے سے خیر میں ہوجاتے لیکن یہ قول اقوالِ سلف کے خلاف ہے ابن ابی حاتم میں اس جگہ ایک اثر بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قریب ہے کہ علم اُٹھا لیا جائے یہ سن کر حضرت زیاد بن لبیدؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ علم اٹھ جائے۔ ہم نے قرآن سیکھا اور اپنی اولاد کو سکھایا۔ آپؐ نے فرمایا افسوس میں تو تمام مدینے والوں سے زیادہ تم کو سمجھدار جانتا تھا تم نہیں دیکھتے کہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی توراۃ و انجیل ہے لیکن کس کام کی، جب کہ اُنھوں نے احکام خدا چھوڑ دئیے۔ پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضورؐ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے ختم ہونے کے وقت ہوگی اس پر حضرت ابن لبیدؓ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم قرآن پڑھے ہوئے ہیں، اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں وہ اپنی اولاد کو پڑھائیں گے یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اس پر آپؐ نے جواب میں وہ فرمایا جو بیان ہوا پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے اور اکثر بد اعمال ہیں جیسے فرمان ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل و انصاف کرنے والا بھی تھا اور قوم عیسیٰؑ کے بارے میں فرمان ہے فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ الخ ان میں سے با ایمان لوگوں کو ہم نے اُن کے ثواب عنایت فرمائے یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا درجہ بیان فرمایا اور اس اُمت کا یہ درجہ دوسرا درجہ ہے جس پر ایک تیسرا درجہ بھی ہے، جیسے فرمایا۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا الخ پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا، ان میں بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں بعض میانہ رو ہیں اور بعض خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں۔ یہی بہت بڑا فضل ہے الخ پس یہ تینوں قسمیں اس اُمت کی داخلِ جنت ہونے والی ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہؓ کے سامنے حضورؐ نے فرمایا موسیٰؑ کی اُمت کے اکہتر گروہ ہوگئے جن میں سے ایک تو جنتی ہے باقی ستر دوزخی۔ عیسیٰؑ کی اُمت کے بہتر گروہ ہوگئے جن میں سے ایک جنتی اور باقی اکہتر دوزخی۔ میری یہ اُمت ان دونوں سے بڑھ جائے گی ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا باقی بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں۔ یعقوب بن یزید کہتے ہیں جب حضرت علی بن ابی طالبؓ یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا الخ اور وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○ بھی پڑھتے اور فرماتے اس سے مراد اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے لیکن یہ حدیث ان لفظوں میں اور اس سند سے بے حد غریب ہے اور ستر سے زیادہ فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے روایت کی ہے جسے ہم نے اور جگہ بیان کردیا ہے، فالحمد للہ ۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ○

اے رسول جو کچھ بھی آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اس کا پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔

اسلام کی اشاعت پیغمبر کا فرض ہے

اپنے نبی کو خدائے تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو، حضورؐ نے بھی ایسا ہی کیا صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں جو تجھ سے کہے کہ حضورؐ نے کسی نازل کردہ حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ حکم دیا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت آپؓ کی یہ حدیث یہاں پر مختصر ہے اور جگہ طویل بھی ہے صحیحین میں ہے کہ اگر حضورؐ خدا کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ۔ یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگوں سے شرمندہ ہو رہا تھا حالانکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے ابن عباسؓ سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں یہ چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضورؐ نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے پوشیدہ رکھی تھیں تو آپؓ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم خدا کی ہمیں حضورؐ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا (ابن ابی حاتم) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی بھی ہے؟ آپؓ نے فرمایا اس خدا کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و درایت کے جو خدا کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں، قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت زہریؒ کا فرمان ہے کہ خدا کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے حضورؐ نے خدا کی سب باتیں پہنچا دیں اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپؐ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی اس میں سب نے اس امر کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع کے خطبے میں جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہؓ کا گروہ عظیم تھا صحیح مسلم میں ہے کہ آپؐ نے اس خطبہ میں لوگوں سے فرمایا تم سے میرے بارے میں خدا کے ہاں سوال ہوگا تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپؐ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی آپؐ نے ہاتھ اور سر آسمان کی طرف اٹھایا اور لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا۔ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا، اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے اس خطبہ میں پوچھا کہ لوگو! یہ کونسا دن ہے؟ سب نے کہا حرمت والا، پوچھا یہ کونسا شہر ہے جواب دیا حرمت والا، فرمایا یہ کونسا مہینہ ہے جواب ملا حرمت والا، پس فرمایا تمہارے مال اور خون و آبرو تمہیں آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والی ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے پھر بار بار اسی کو دہرایا پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ آپؐ کے رب کی طرف سے آپ کو وصیت تھی پھر حضورؐ نے فرمایا دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ پہنچا دے، دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔ امام بخاریؒ نے بھی اسے روایت کیا ہے پھر فرماتا ہے اگر تو نے میرے فرمان بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے

---

۱ مطلب یہ ہے کہ امت سے اس طرح تبلیغ رسالت کا اعتراف و اقرار لینا اسی لئے آپؐ کو خدا تعالیٰ کی جانب سے حکم تھا ۱۲۔ انظر شاہ کشمیری

۲ یعنی مسلمانوں کا باہمی قتل و قتال کفر کے ہم معنیٰ ہے ۱۲۔ انظر شاہ کشمیری۔

اگر ایک آیت بھی چھپالی تو رسالت توڑ دی[1]۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضورؐ نے فرمایا میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں میں کس طرح کروں۔ تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا کام بھی نہیں کیا پھر فرمایا مجھے لوگوں سے بچا لینا میرے ذمہ ہے تیرا حافظ و ناصر میں ہوں بے خوف وخطر رہ تیرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا اس آیت سے پہلے حضورؐ اپنا پہرہ رکھتے تھے لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضہ فرماتی ہیں کہ ایک رات کو حضورؐ بیدار تھے نیند نہیں آ رہی تھی میں نے کہا یا رسول اللہ! آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا یہ بات ہو رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی آپؐ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ رات بھر حضورؐ کی چوکیداری کروں اس کے بعد حضورؐ با آرام سو گئے یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی (صحیحین) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۲ھ کا ہے اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر محافظین سے فرمایا جاؤ اب میں خدا کی پناہ میں آگیا ہوں تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں رہی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے جب یہ آیت اتری تو آپؐ نے فرمایا بس چچا اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں میں اللہ کی حفاظت میں آگیا ہوں لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے یہ واقعہ تو مکہ کا ہو سکتا ہے یہ آیت تو مدنی ہے بلکہ مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے اس میں شک نہیں کہ مکے میں بھی خدا کی حفاظت اپنے رسولؐ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جان ہونے کے اور ہر ہر سامان اور اسباب سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے ابتدا رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے آپ کی حفاظت ہوتی رہی ان کے دل میں خدا نے آپ کی محبت و عظمت ڈال دی یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی۔ اگر شرعی ہوتی تو قریش حضورؐ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضورؐ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپ اُن ہی کے یہاں چلے گئے اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی ایک ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ بڑے بڑے باسامان لشکر لیکر چل دوڑے لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں قدرت نے وہ بھی ان ہی پر الٹ دیں ادھر وہ جادو کرتے ہیں اُدھر معوذتین نازل ہوتی ہیں اور ان کا جادو اتر جاتا ہے ادھر وہ ہزاروں کوشش کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضورؐ کی دعوت کر کے آپکے سامنے رکھتے ہیں اُدھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اُن کی دھوکہ دہی سے آگاہ فرماتے ہیں اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں اور بھی ایسے واقعات آپکی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں ابن جریرؒ میں ہے کہ ایک سفر میں آپ ایک سایہ دار درخت تلے جو صحابہؓ اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپکے لئے چھوڑ دیتے تھے دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے جو ایک اعرابی اچانک آ پڑا آپ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی اُتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا اب بتا کون ہے جو تجھے بچالے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ مجھے بچائیگا اُسی وقت اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اُس کے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اُتارتا ہے ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضورؐ نے بنو انمار سے غزوہ کیا ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ایک کنویں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے جو بنو نجار کے ایک شخص وارث نامی نے کہا دیکھو ابھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرتا ہوں لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار میں کام تمام کر دوں گا۔ یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر اُدھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی آپؐ نے اُسے دیدی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپؐ نے فرمایا تیرے اور تیرے بد ارادے کے

---

[1] یعنی رسالت کا حق ادا نہ کیا۔ ۱۲ انظر شاہ کشمیری عفی عنہ [2] یہ مکہ میں ابتدائے اسلام کا واقعہ ہے جب آپ کی جان تک لینے کی کفار کی طرف سے سازشیں ہو رہی تھیں۔ انظر شاہ کشمیری